ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

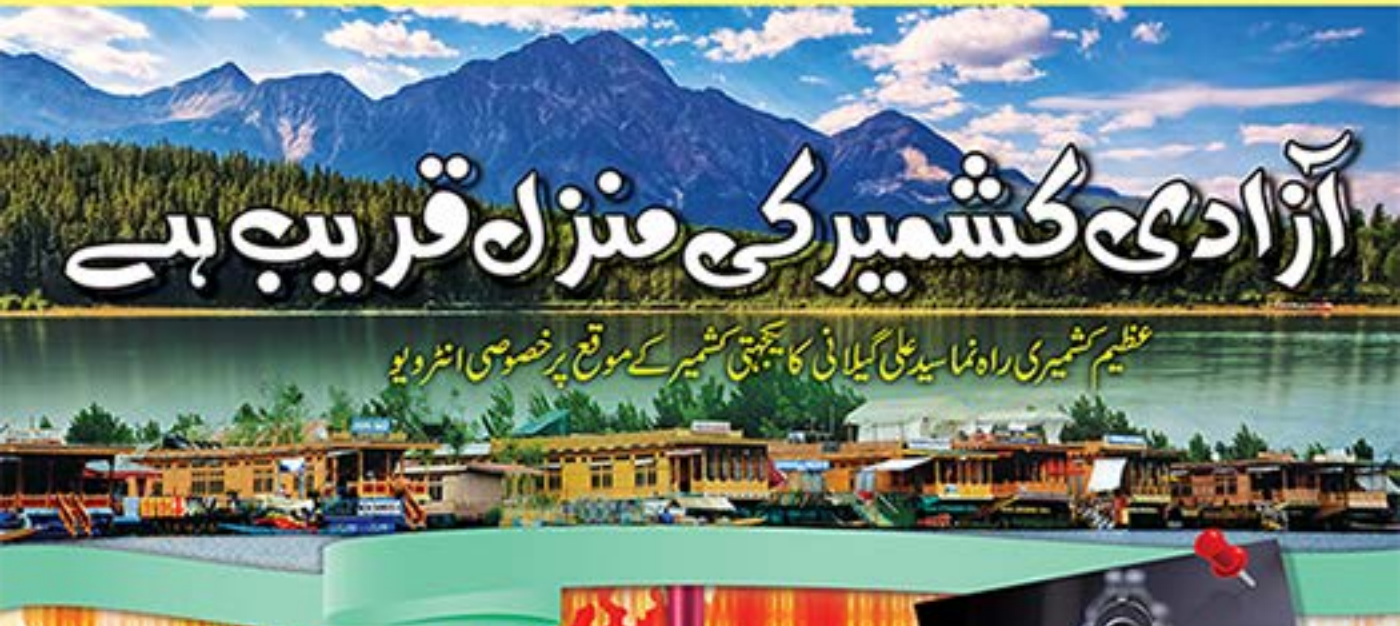
دارالسلام

دارالسلام کی جملہ مطبوعات کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

شمارہ 02 | جلد 23 | فروری 2014ء، ربیع الثانی 1435ھ



آزادی کشمیر کی منزل قریب ہے

عظیم کشمیری راہ نما سید علی گیلانی کا یکجہتی کشمیر کے موقع پر خصوصی انٹرویو



ایک مسلمان تاجر کی خصوصیات



ڈاکا زنی کی وارداتیں

سروت اور شرعی راہ نمائیاں

چرچ برائے فروخت

آسٹریلیا میں اسلام کی طرف بڑھتے رجحان کی ایک جھلک



کِنّو

سائنسی تجزیہ اور فوائد

ماہنامہ

ضیائے حدیث

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

لاہور

شمارہ 02 | جلد 23 | فروری 2014ء / ربیع الثانی 1435ھ

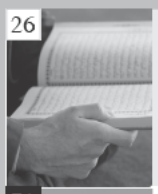
چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ دامان

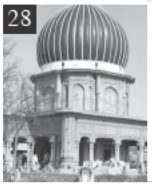
احکام و مسائل
نیلسن منڈیلا کے لیے دعائے مغفرت
ابوعلی
21



معاشیات
تخمینے، اندازے اور خوش فہمیاں
حافظ عبدالسمیع
26



عقائد
قبر پرستی.....ایک فتنہ
حافظ محمد حق نواز
28



عالم اسلام
دولتِ قطر
محسن فارانی
71



ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم

آرٹ اینڈ ڈیزائن
طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق | قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ:

موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی 823 71 70 300 92+
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی 034 79 75 313 92+
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

اداریہ — ایک مسلمان تاجر کی خصوصیات — چیف ایڈیٹر — 5
انوار حدیث — ڈاکا زنی.....سروے اور شرعی راہ نمائیاں — محمد نعمان فاروقی — 9
افتاء و ارشاد — آپ کے سوالات اور ان کا حل — ابوالحسن حافظ عبدالخالق — 15
اشاعتِ حدیث — غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث — ابوانس — 20
احکام و مسائل — نیلسن منڈیلا کے لیے دعائے مغفرت — ابوعلی — 21
معاشیات — تخمینے، اندازے اور خوش فہمیاں — حافظ عبدالسمیع — 26
عقائد — قبر پرستی.....ایک فتنہ — حافظ محمد حق نواز — 28
روشنی کا سفر — ''چرچ'' برائے فروخت — جمیل احمد اعوان — 33
اخلاقیات — غصہ نہ کریں — قاری محمد حسن سلفی — 37
مکتوب الریاض — ام عمارہ سیدہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا — عبدالمالک مجاہد — 39
انٹرویو — آزادی کشمیر کی منزل قریب ہے!! — سید علی گیلانی — 43
سیاسیات — پرویز مشرف کے ڈرامے.....بڑی جنگ کو دعوت — خالد سیال — 48
فضیلت و رغبت — شجر کاری — حافظ شبیر صدیق — 50
طب و صحت — کِنو — ڈاکٹر طارق ریاض — 54
گوشۂ خواتین — اسلام کے عورتوں پر احسانات — طارق جاوید عارفی — 56
تبصرہ — سیرت انسائیکلوپیڈیا — احمد کامران — 61
تبصرہ کتب — کتابوں کے دیس میں — ایڈیٹر — 66
فکر و نظر — ائمہ کرام رحمہم اللہ — مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ — 68
رپورٹ — دارالسلام.....ماورفتہ — حافظ محمد ندیم — 70
عالم اسلام — دولتِ قطر — محسن فارانی — 71

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ رعایتی زرتعاون | عام ڈاک صرف 400/- روپے | رجسٹری ڈاک 800/- روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال
یورپی ممالک 30 یورو

ایک مسلمان تاجر کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے پناہ انعامات اور احسانات میں سے ایک فراخی رزق بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ''آپ کا رب جس پر چاہے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس کی چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے۔'' (بنیٓ اسرآء یل 30:17)

فقر وفاقہ اور تنگ دستی ایک ایسی بلا ہے کہ آدمی کو ہر وقت اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ ایک دعا فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ» ''اے اللہ! میں کفر سے، تنگ دستی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (مستدرك حاكم:383/1، حدیث: 927) عربوں کے ہاں ایک مقولہ ہے: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا یعنی غربت وافلاس انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جب انسان افلاس کے باعث اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے تو غلط بیانی اور دھوکہ دہی کا سہارا لیتا ہے اور اپنے دین کو نقصان پہنچا لیتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک قول منسوب ہے: ''اگر فقر وفاقہ آدمی ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا۔'' (فتاوىٰ الشيخ مشهور بن حسن آل سلمان: 86/1)

اگر دیکھا جائے تو اس وقت عام آدمی کے مسائل اقتصاد ہی کے اردگرد گھومتے ہیں۔ لوگ عموماً پریشان نظر آتے ہیں خواہ وہ آجر ہیں یا اجیر، تجارت پیشہ ہیں یا صنعتکار، سرکاری ملازم ہیں یا نجی ملازم۔ ہمیں اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے رہنما اصول ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے اقتصادی مسائل سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا آسان ترین جواب یہ ہے کہ اپنے مسائل کو سیرت طیبہ کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ سعادت اور خوشیاں آپ کا مقدر بن جائیں گی۔ پریشانیوں اور مشکلات سے چھٹکارا مل جائے گا۔ سلف صالحین میں سے ایک عالم کا قول ہے کہ سیرت طیبہ میں تمام دینی علوم جمع ہیں۔ اگر کوئی شخص صحیح طریقے سے سیرت کا مطالعہ کر لے تو اس کے لیے زندگی کے تمام مسائل آسان ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی مبارک عملی زندگی کا آغاز ایک تاجر کے طور پر کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دور کی سب سے کامیاب تاجر خاتون تھیں۔ وہ لوگوں کو مضاربت کے اصول کے تحت اپنا مال دیتیں، انھیں دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھجواتیں۔ اس طرح وہ خود بھی مال و دولت کماتیں اور ان کے ذریعے دوسرے لوگ بھی مالی فوائد حاصل کرتے۔ اس دور میں بھی تجارت کے کچھ اصول وضوابط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم ایسے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جن میں کسی فریق نے دوسرے فریق پر بددیانتی یا بدعہدی کا الزام لگایا ہو۔

اسلام نے تجارت کے میدان میں بھی بہت سے آداب اور اصول مقرر فرمائے ہیں۔ تجارت میں سب سے بڑا جو اصول اسلام نے متعارف کروایا وہ درگزر کرنا، معاف کرنا اور نظر انداز کرنا ہے، یعنی دوسروں کے حالات کی رعایت کرنا اور خرید وفروخت کرتے وقت معاملات میں نرمی برتنا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بڑی مشہور حدیث ہے: «رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى» ''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو بیچتے وقت، خریدتے وقت اور اپنا حق طلب کرتے وقت درگزر اور نرمی سے کام لیتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 2076)

معاملات دنیا کے ہوں یا دین کے، اللہ کے رسول ﷺ نے ہر معاملہ میں اپنی امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جہاں تک اقتصادیات کا تعلق ہے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔ کاروبار حیات اسی مسئلہ کے گرد ہی گھومتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو اپاہج

نہیں بنایا کہ وہ ہر وقت مانگتے پھریں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو محنت اور کاروبار کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ چھوٹی بڑی تجارت انھی کے ہاتھوں میں تھی۔ بنوقینقاع کا بازار مسجد نبوی سے زیادہ دور نہ تھا۔ بقیع الغرقد کا قبرستان مسجد نبوی کے بائیں جانب مشرق کی طرف واقع ہے۔ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ کے معروف تاجر تھے۔ جب مدینہ آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مواخات فرما دی۔ سعد نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کشاں کشاں اپنے گھر لے گئے۔ سعد بہت بڑے زمیندار تھے۔ مدینہ میں ان کے متعدد باغات تھے، خوشحال گھرانہ تھا۔ انھوں نے دو شادیاں کر رکھی تھیں۔ اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے کہنے لگے: میرے دینی بھائی! اب تم میرے حقیقی بھائی ہو۔ اس لحاظ سے میری جائداد اور دولت پر تمھارا برابر کا حق ہے۔ سنو! میں مدینہ کا امیر ترین تاجر ہوں، میرے کئی ایک باغات ہیں، ان میں سے آدھے باغات تمھارے ہوئے، میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھ لو، جو تمھیں پسند آئے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ جب عدت گزر جائے تو تم اس سے شادی کر لینا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بھائی! اللہ تمھارے کاروبار، مال، اولاد اور جان میں برکتیں عطا فرمائے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ «دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ» ”مجھے بازار کا راستہ بتا دیں۔“ ہم کاروباری لوگ ہیں، ہمارے لیے تجارت کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن کو سعد بن ربیع نے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ دیکھیں بنوقینقاع کا محلّہ! وہاں یہودیوں کا بازار ہے۔ بازار کا راستہ کوئی دس پندرہ منٹ کا ہوگا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسی وقت بازار روانہ ہوگئے۔ شام کے وقت واپس تشریف لائے تو کچھ پنیر کے ٹکڑے، گھی کی کچھ مقدار اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء ان کے ساتھ تھیں۔ اسی طرح وہ روزانہ بازار جاتے رہے اور خرید و فروخت کرتے رہے۔ چند ہفتوں میں ان کا شمار مدینہ کے اہم تاجروں میں ہونے لگا۔ کچھ رقم جمع ہوگئی تو انھوں نے ایک انصاری عورت سے کھجور کی گٹھلی برابر سونا حق مہر دے کر شادی بھی کر لی۔ (صحيح البخاري: 2049)

قارئین کرام! تجارت کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ تجارت میں برکت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی کے دائیں جانب ”مناخہ“ کے مقام پر بازار بنوایا۔ یہ جگہ مسجد نبوی کے مغرب میں واقع تھی۔ نبوی دور میں یہ بڑی کھلی جگہ تھی۔ اب تو یہاں بازار بن چکے ہیں، سڑکیں بن چکی ہیں اور عمارات تعمیر ہو چکی ہیں۔ یہ جگہ حرم مدنی کے بالکل متصل بنتی ہے۔

ایک دن اللہ کے رسول ﷺ بنوقینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے مناخہ کے بازار میں تشریف لائے۔ اس جگہ کا معائنہ فرمایا۔ اپنا پاؤں مبارک اس زمین پر مارتے ہوئے فرمایا: «هَذَا سُوقُكُمْ فَلَا يُنْتَقَصَنَّ وَلَا يُضْرَبَنَّ عَلَيْهِ خَرَاجٌ» ”یہ تمھارا بازار ہے، حکام نہ تو اس کو بند کریں اور نہ ہی اس پر کوئی ٹیکس لگانے پائیں۔“ (سنن ابن ماجه: 2233) اس زمانے میں یہاں دکانیں نہیں تھیں۔ بلکہ تاجروں نے چھوٹے چھوٹے کھوکھے سے بنا رکھے تھے جہاں وہ کھڑے ہو کر اپنا سامان بیچتے تھے۔ جو سامان بکنے سے رہ جاتا اسے اگلے دن پھر بازار میں لے آتے تھے۔ اس بازار کے جنوبی حصہ میں گھڑ سواری کا میدان تھا۔ مجاہدین یہاں گھڑ سواری اور تیر اندازی سیکھتے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی بعض اوقات ان مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے تشریف لے آتے۔ جہاں تک بازار کا تعلق ہے یہ مناخہ کے شمالی جانب واقع تھا، اللہ کے رسول ﷺ یہاں بھی تشریف لاتے اور تاجروں کو ہدایات دیتے۔

ہمارے قارئین کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لائے۔ ایک دن پہلے وہاں بارش ہوئی تھی۔ بازار میں غلے کا ڈھیر پڑا ہوا تھا جس کے اوپر خشک دانے تھے اور اندر گیلے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس ڈھیر کے اندر داخل کیا تو اندر والے دانے گیلے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ارے! غلہ بیچنے والے یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! رات بارش ہوگئی تھی، غلہ گیلا ہوگیا تو میں نے اس کے اوپر خشک غلہ ڈال دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر ہی ارشاد فرمایا تھا: «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» ”جس نے ہم مسلمانوں سے دھوکہ کیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔“ (صحيح مسلم: 101)

قارئین کرام! تجارت، کاروباری معاملات، خرید وفروخت ہماری زندگی کے اہم ترین کاموں میں سے ہیں۔ انسان کے ایمان لانے، اس پر استقامت اختیار کرنے اور عمل صالح کے بعد سب سے اہم چیز اگر کوئی ہے تو وہ خرید وفروخت ہے۔ ہم میں سے ہر شخص نے اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور خریدی ہے، بلکہ ہر روز خریدتے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس نے کبھی کوئی چیز بیچی نہ ہو۔ گویا خرید وفروخت اور کاروبار، ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ ہم غور کریں کہ صبح سے شام تک کتنی چیزیں خریدتے اور فروخت کرتے ہیں؟ ایسے اہم مسئلہ کو اسلام کیسے اہمیت نہ دیتا۔ قرآن کریم تو ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ ''جب جمعہ کی نماز ختم ہوجائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اپنے رب کے فضل، یعنی رزق کی تلاش میں لگ جاؤ۔'' (الجمعة 10:62) دین صرف نماز روزے، حج، زکاۃ اور عبادات کا نام نہیں، بلکہ یہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس نے ہمارے لیے کچھ ایسے رہنما اصول متعین کیے ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو ہماری زندگی بڑی آسان اور خوبصورت بن سکتی ہے۔ کاروبار میں برکت سے ہمارے بے شمار مسائل حل ہوجائیں گے۔

میں اوپر ذکر کرچکا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے چار الفاظ پر مشتمل حدیث میں اتنی بڑی بات فرمادی ہے کہ اگر اس پر عمل کرلیا جائے تو ہماری اقتصادیات کا رخ تبدیل ہوجائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ تصور بیٹھ چکا ہے کہ جب تک بددیانتی نہ کی جائے، دھوکہ اور فراڈ یا چالاکی نہ کی جائے، جسے آج کل ذہانت کا نام دے دیا گیا ہے، تو کاروبار چل ہی نہیں سکتا، حالانکہ یہ بات حقائق کے قطعاً خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی تجارت کی، آپ کے صحابہ کرام میں سے بھی بعض بڑے بڑے تاجر تھے۔ خود سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بڑے تاجروں میں سے تھے۔ ان بڑے لوگوں کی تجارت کا جائزہ لیں تو وہ نہایت صاف ستھری اور ہر قسم کے دھوکہ سے پاک تجارت تھی۔ یاد رکھیے کہ مال میں برکت اور اضافہ ایمان داری ہی سے ہوتا ہے۔ تاجر معاملات میں صحیح اور کھرا ہے تو اسے برکت ضرور حاصل ہوگی اور اس کے کاروبار میں ترقی ہوگی۔ آیئے رسول اللہ ﷺ کی ایک مبارک حدیث پڑھتے ہیں: «التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''دیانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (جامع الترمذی: 1209، وسنن الدار قطنی: 3/387، حدیث: 2813)

قارئین کرام! میں اپنے بچوں کو سمجھانے کے لیے ایک فقرہ اکثر کہتا رہتا ہوں کہ یاد رکھیے! آدمی زندگی میں صرف ایک مرتبہ کسی کو دھوکہ دے سکتا ہے دوسری مرتبہ نہیں۔ جو ادارہ، فرد یا معاشرہ دھوکے اور فراڈ کا مرتکب ہوتا ہے وہ ایک مرتبہ تو آپ سے فراڈ کرسکتا ہے مگر دوسری مرتبہ نہیں۔ کیونکہ آپ متنبہ ہوچکے ہوتے ہیں اس لیے آپ اس کے چنگل میں نہیں پھنستے۔

آیئے میں آپ کو رزق حلال کمانے والے سعودی عرب کے ایک امیر ترین شخص کی بات سناتا ہوں۔ اس شخص کا نام شیخ سلیمان الراجحی ہے۔ ان کی زندگی پر اگر غور کریں تو آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ شخص ایک نہایت غریب گھرانے میں جنم لیتا ہے۔ ان کی تعلیم مڈل سے بھی کم ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کی شروعات بطور مزدور کی تھیں۔ یہ باورچی کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ لوگوں کا سامان اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے رہے۔ اس وقت جتنی ان کے پاس دولت ہے اس کا تصور بھی ہمارے لیے مشکل ہے۔ راقم الحروف کو ایک مرتبہ ان سے ملنے کا اور ہاتھ ملانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ قصہ لمبا ہے، پھر کبھی آپ کو سناؤں گا، مگر یہ شخص واقعی صاحب عزیمت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت دی اور بہت زیادہ دی۔ وہ کروڑوں یا اربوں میں نہیں اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

ان کی زندگی کا بڑا خوبصورت واقعہ ہے کہ یہ ایک مرتبہ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹیبل پر ایک ڈبے میں ٹونا مچھلی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گول ڈبوں میں مچھلی کو پکا کر پیک کرتے ہیں۔ عموماً یہ ویتنام، انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور وغیرہ کے ممالک سے درآمد کی جاتی ہے۔ یہ مچھلی کھانے کے لیے بالکل تیار ہوتی ہے۔ آپ ڈھکنا اتاریں اور بس کھانا شروع کردیں۔ شیخ سلیمان نے اس ڈبے کو اٹھایا اور اس پر لگے ہوئے لیبل کو پڑھنا شروع کردیا۔ باقی سارا لیبل تو انگلش زبان میں تھا مگر ایک عبارت عربی زبان میں بھی لکھی ہوئی تھی: « ذُبِحَ عَلَى طَرِيقَةٍ إِسْلَامِيَّةٍ» ''اس مچھلی کو اسلامی

طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہے۔'' مجھے یقین ہے کہ یہ الفاظ پڑھتے ہوئے آپ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی ہوگی: اس مچھلی کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے؟

یہ بات آج سے کوئی چھتیس سال پرانی ہے۔ شیخ سلیمان الراجحی کے دل میں اچانک خیال آیا کہ سعودی عرب میں ہر روز کتنی مرغیاں باہر سے آتی ہیں؟ پیکنگ پر یہی لکھا ہوتا ہے کہ اس مرغی کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ ان میں کتنی ایسی ہوں گی جن کو واقعی اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ باقی کو جھٹکا دے کر یا الیکٹرانک مشین کے ذریعے ذبح کیا گیا ہوگا۔ یہ لوگ تو مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہوں گے۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنا پولٹری فارم بنائیں، جس میں اسلامی طریقے سے مرغیاں ذبح کی جائیں۔ پھر واقعی انھوں نے ایک انہونا کام کر دکھایا۔ قصیم کے علاقے میں انھوں نے 1977ء میں ''الدواجن الوطنیه'' کے نام سے ایک پولٹری فارم بنایا۔ یہ پولٹری فارم دنیا کے سب سے بڑے پولٹری فارمز میں سے ایک ہے۔ 232 مربع کلومیٹر زمین پر بنائے گئے پولٹری فارم میں چار ہزار آٹھ سو ملازم کام کرتے ہیں۔ اس کا رأس المال پاکستانی کرنسی میں 84 ارب روپے سے زائد ہے۔ یہاں ہر گھنٹے دو لاکھ پچیس ہزار مرغیاں ذبح ہوتی ہیں۔ اس پولٹری فارم کے بارے میں تفصیل تو پھر کبھی ان شاء اللہ لکھوں گا، مگر جو بات آپ کو بتانا مقصود ہے وہ یہ کہ شیخ سلیمان الراجحی نے یہ دولت الحمد للہ صدق اور امانت کے ساتھ کمائی۔ ان کے ہاں دھوکہ اور فراڈ نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک مرتبہ وہ اپنے اس وسیع وعریض پولٹری فارم کا معائنہ کرنے کے لیے گئے۔ انھوں نے سختی سے ہدایات جاری کی ہوئی تھیں کہ خبردار! کوئی بھی مرغی مشین سے ذبح نہ ہو، بلکہ صرف اسلامی طریقے سے مسلمانوں کے ہاتھ سے ہی ذبح کی جائے۔

پراجیکٹ منیجر نے جواب دیا: شیخ صاحب! اگر ہم سو فی صد ہاتھ سے ذبح کریں تو اس میں بہت زیادہ وقت لگے گا اور ہم جس منافع کی توقع رکھتے ہیں وہ نہیں مل سکے گا۔ کہنے لگے: اس کی کوئی پروا نہیں لیکن ہم مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ان کی ہدایات پر عمل کیا گیا۔ اس طرح شروع کے سالوں میں پولٹری فارم کو ایک ارب ریال، یعنی 28 ارب روپے کا نقصان ہوا۔ لیکن شیخ سلیمان نے اس پر استقامت اختیار کی۔ کہنے لگے: نقصان ہوتا ہے پروا نہیں مگر ہم اپنے بھائیوں کو دھوکہ نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور اب الحمد للہ پولٹری فارم منافع میں چل رہا ہے۔ پھر وہ ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں کہ اس پولٹری فارم کو نفع نہ نقصان کی بنیاد پر چلانا شروع کر دیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایمان داری اور سچائی کا راستہ اختیار کرنے سے شیخ سلیمان الراجحی کے مال میں کمی واقع ہوئی؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اگر ہم اللہ کے ساتھ مخلص ہیں تو ممکن ہے کچھ مشکل وقت بھی آ جائے مگر حالات پھر سے اچھے ہو جاتے ہیں۔

میں طویل بحث میں جائے بغیر اقتصادیات اور تجارت کے حوالے سے چند صحیح احادیث نبوی کا تذکرہ کروں گا۔ ایک سوال باقی رہ گیا کہ ہم اپنی تجارت، کاروبار اور اقتصاد کو بہتر کیسے بنا سکتے ہیں؟ اگر اللہ کو منظور ہوا تو کسی اگلے شمارے میں تفصیل سے لکھوں گا۔ آیئے احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» ''تم میں سے کوئی اس وقت تک صحیح معنوں میں ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 13) «مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ» ''کسی آدمی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا۔'' (صحيح البخاري: 2072) «مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کا خریدا ہوا سامان اس کی خواہش پر واپس لے لیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔'' (سنن أبي داود: 3460، وسنن ابن ماجه: 2199) «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟» ''لوگوں پر ایک وقت ایسا آ جائے گا کہ آدمی کو اس بات کی کوئی پروا نہ ہوگی کہ جو مال وہ لے رہا ہے یہ حلال ہے یا حرام ہے۔'' (صحيح البخاري: 2059)

محبکم: عبدالمالک مجاہد

ڈاکا زنی کی وارداتیں

سروے اور شرعی راہ نمائیاں

ڈاکا زنی دہشت گردی کی ایک قسم ہے ہم سب مل کر اس سے نجات پا سکتے ہیں



محمد نعمان فاروقی

لوگوں سے بھری بکرمنڈی میں کچھ لوگ آئے اور ہوائی فائرنگ شروع کردی۔ بیوپاری اپنے جانور حتی کہ پیسوں والی پوٹلیاں چھوڑ کر بھاگے، لمحے بھر میں بکرمنڈی خالی ہوگئی اور ڈاکو پیسے لے کر چلتے بنے۔ لوگ افسوس بھرے لہجے میں بس یہی کہتے نظر آئے کہ چلو خیر ہوئی، جانیں تو بچ گئیں۔

پچھلے دنوں ہمارے محلے میں ایک واردات ہوئی۔ ایک صاحب رات کو واپس آکر گاڑی گھر میں پارک کررہے تھے کہ تعاقب کرنے والے گاڑی کے ساتھ ہی گھر میں گھس آئے اور گن پوائنٹ پر قیمتی اشیاء اُچک کر چلتے بنے۔ صبح جب یہ خبر عام ہوئی تو ہر زبان پر یہی الفاظ تھے کہ شکر ہے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور بس۔

بیکری کی ایک دکان کئی دفعہ لٹ چکی۔ ہر دفعہ بیکری کے مالک جو کچھ ہوتا، وہ نکال کر ڈاکوؤں کے سامنے رکھ دیتے اور اسی میں خیر سمجھتے کہ چلو جان تو بچ جاتی ہے ان ظالموں کا کیا پتا کہ کب گولی ماردیں۔

بسوں وغیرہ میں تو اکثر وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی مثال ہوگی کہ کسی نے مزاحمت کی ہو۔ متاثرین جب اپنے عزیز و اقارب کو واردات کی اطلاع دیتے ہیں تو خود وہ بھی اور تمام اقرباء بھی ایک بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے جان تو بچ گئی۔

دن دیہاڑے ڈاکو ایک گھر میں گھسے، خواتین کو باتھ روم میں بند کرکے گھر سے نقدی اور قیمتی اشیاء لے کر فرار ہوگئے۔ تسلی دینے والوں نے اسی بات پر زور دیا: چلو شکر ہے جان تو بچ گئی۔

ایک صاحب تو جیب میں ہر وقت 500 کا نوٹ رکھتے ہیں کیونکہ کوئی پیسے وغیرہ نہ نکلیں تو ڈاکو پٹائی شروع کردیتے ہیں۔ اس طرح وہ ڈاکوؤں کی راہ مزید ہموار کرتے ہیں۔

ایک بوڑھے اور باریش باباجی ایک سٹاپ پر کھڑے تھے۔ ایک موٹر سائیکل سوار سے کہنے لگے کہ مجھے وہاں تک لے جانا، اس نے بٹھالیا۔ سٹاپ کے قریب آکر وہ کہنے لگے: بیٹا! مجھے چلنے میں دشواری ہے ذرا اس گلی کے اندر اتار دو۔ اس نے ہامی بھرلی اور موٹر سائیکل موڑ لی۔ آگے ''باباجی'' کے کارندے کھڑے تھے، انھوں نے موٹر سائیکل سمیت ہر چیز چھین لی۔ ملنے والوں کو جب اطلاع ملی ہوگی تو انھوں نے یہی کہا ہوگا کہ سب کچھ گیا چلو زندگی تو بچ گئی، باقی ہر چیز مل جاتی ہے زندگی نہیں ملتی۔ دفعہ کرو ان کم بخت ڈاکوؤں کو۔

ایک بوڑھی خاتون نے کسی نوجوان سے لفٹ لی اور راستے ہی میں ایک جگہ اپنا جوتا پھینک دیا۔ نوجوان نے موٹر سائیکل روک دی۔ وہ اتر کر جوتے کی طرف چلنے لگی۔ نوجوان کو ترس آیا۔ اس نے کہا: ماں جی! آپ رکیں میں جوتا لے آتا ہوں۔ وہ جوتا لے کر واپس مڑا تو سب کچھ اُڑن چھو ہوچکا تھا نہ موٹر سائیکل تھی اور نہ وہ ''بڑھیا''!! وہاں اس کے



''کارندے'' موجود تھے وہ فوراً بڑی بی کو موٹرسائیکل پر بٹھا کر بھاگ گئے۔

ڈاکہ زنی کے لیے اب تو نت نئے انداز سامنے آنے لگے ہیں۔ ایک پچاس پچپن سال کی خاتون ایک گھر کے باہر دستک دیتی ہے۔ گھر سے خاتون دروازہ کھولتی ہے۔ آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا۔ آنے والی خاتون کہتی ہے: میں نے دوائی کھانی ہے پانی تو دینا۔ خاتون کہتی ہے: اماں جان! اندر آجائیں۔ وہ پانی دیتی ہے۔ یہ دوائی نکالنے لگتی ہے تو انگلی دانت میں لے کر کہتی ہے: ہائے ہائے!! میری گولیاں تو ہیں کیپسول نہیں ہے۔ پھر موبائل نکالتی ہے اور کہتی ہے: اکرم بیٹا! میری گولیاں تو میرے پاس ہیں مگر کیپسول نہیں ہے وہ گھر لیتے آنا..... پھر کیا ہوا کہ ڈاکوؤں کی صورت میں ''کیپسول'' پہنچ گئے اور گھر کا صفایا کر گئے۔ دراصل اس خاتون نے ''گولیاں'' سے مراد عورتیں لی تھیں اور کیپسول سے مراد مرد، یعنی گھر میں عورتیں ہی ہیں مرد کوئی نہیں۔ اس سانحے کے بعد کا پتہ نہیں کہ لوگوں نے کیا تبصرہ کیا مگر وہ تبصرہ بھی مختلف نہیں ہوگا۔ بس یہی ہوگا کہ اللہ کا کروڑ کروڑ شکر ہے جان بچ گئی۔ پیسوں اور زیور کی کوئی بات نہیں۔ پھر وہاں ہی موجود ایک شخص یہ بات بھی سناتا ہے: فلاں گھر میں ڈاکو آئے تھے، ان کے بیٹے نے مزاحمت کی تو ڈاکوؤں نے یک دم فائرنگ کردی۔ اور وہ بے چارہ موقع ہی پر جاں بحق ہوگیا۔ بڑا پڑھا لکھا تھا۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک اور شخص اپنا تجربہ سنانے لگتا ہے کہ ہمارے ہاں بھی ایسا واقعہ ہوا تھا، باپ بیٹا کار میں جارہے تھے ڈاکوؤں نے دھر لیا۔ بیٹے نے ڈاکوؤں کے سامنے مزاحمت کی تو ڈاکوؤں نے فائرنگ کردی اور وہ ہسپتال جاتے جاتے دم توڑ گیا۔

ڈاکے کی یہ وارداتیں اور ان پر ہونے والے تبصروں کو عنوان دیا جائے تو یہی بنتا ہے ''جان بچی سو لاکھوں پائے'' یہ سب کچھ اپنی جگہ درست اور عقل اسے ہی سراہتی ہے مگر معاشرے نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ ڈاکوؤں کے سامنے عدم مزاحمت اور ان پر ہونے والے تبصروں اور تسلیوں نے ڈاکوؤں کو کس قدر دلیر بنادیا ہے!! بھرے بازار میں وارداتیں ہوتی ہیں، کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ایسے ظالم لوگوں کے سامنے کوئی مزاحمت کرے۔ ابھی پچھلے دنوں اردو بازار لاہور میں ڈاکوؤں نے بھرے بازار میں ایک تاجر جاوید سوہنی کو قتل کردیا۔ اس وقت نہ کسی نے اسے بچانے کی کوشش کی نہ ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور کچھ دنوں بعد جگہ جگہ بینر آویزاں کردیے کہ جاوید سوہنی (مرحوم) کے قاتلوں کو فوری گرفتار کیا جائے!! بعض جگہ تو انھی ڈاکوؤں سے اپنی جان بچانے اور لاکھوں پانے والوں نے حکومت کو بھی دھمکیاں دی ہوتی ہیں کہ فلاں کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے ورنہ.....!، حالانکہ ڈاکو ان کی آنکھوں کے سامنے اسے مار کر فرار ہوتے ہیں۔ آخر حکومت کو دھمکیاں دینے والے یہ لوگ ڈاکوؤں کو کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟

ظاہر ہے ڈاکو اسی معاشرے میں رہتے ہیں، جب انھیں ایسی ''تسلیاں'' ملتی ہیں تو وہ اور زیادہ دلیر ہوجاتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ جہاں کہیں لوگوں نے مزاحمت کرکے ڈاکوؤں کو پکڑ کر مارا اور پولیس کے حوالے کیا، پھر ایک لمبی مدت تک وہ علاقے ڈاکوؤں سے محفوظ ہوگئے۔

تصویر کا دوسرا رخ

ڈاکوؤں کے سامنے بے بسی کی تصویر بننے والوں کے مقابلے میں کئی ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے ڈاکوؤں کا دلیری اور دانائی سے مقابلہ کیا۔ آیئے! ان سے ملتے ہیں۔ یہ ایک چھابڑی لگانے والے ضعیف بابا جی ہیں، یہ لاہور وسّن پورہ میں پھل لگاتے تھے۔ ان کے پاس دو موٹرسائیکل سوار آئے اور گن پوائنٹ پر کہنے لگے: جو کچھ ہے فوراً نکال دو۔ بابا جی نے کہا: میرے پاس تو کچھ نہیں۔ ایک ڈاکو غصے سے بولا تو بابا جی نے اُسے زور سے دھکا دیا، وہ پیچھے ہٹ گیا اور فائر کردیا۔ گولی بابا جی کو لگنے کی بجائے اسی کے ساتھی کی ٹانگ میں جا لگی۔ اتنے میں قریب سے ایک ہسپتال کا گارڈ بھاگا بھاگا آیا، اس نے دوسرے ڈاکو کی ٹانگ زخمی کردی۔ اس طرح دونوں ڈاکو پکڑے گئے۔ بات ہمت کی ہے ورنہ بعض حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مال بھی جاتا ہے اور جان بھی۔ اگر بابا جی یہی کہتے کہ جان بچ جائے باقی خیر ہے تو وہ ڈاکو یقیناً مزید وارداتیں کرتے رہتے کہ یہاں تو کوئی مزاحمت کار ہی سامنے نہیں آتا۔

فیصل آباد کے قریب اوڈانوالہ گاؤں ہے۔ وہاں کے ایک شخص نے ڈاکو یا چور کو مار ڈالا۔ مقدمہ چلا تو سب گاؤں والوں نے مل کر کہا کہ



اُس مدمعاش کو ہم سب نے مارا ہے۔ اس طرح کسی پر بھی مقدمہ نہ بنا..... نتیجہ یہ نکلا کہ پھر وہ گاؤں برسوں تک چور ڈاکوؤں سے بالکل محفوظ رہا۔ ظاہر ہے ڈاکو عام آدمی کی نسبت بہت زیادہ خطرے میں گھرا اور خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔ معمولی سا ایکشن لینے ہی پر وہ اتنے حواس باختہ ہوجاتے ہیں کہ اپنا ہدف ہی بھول جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ گولی کسے مارنی ہے۔ کئی دفعہ وہ اپنے ہی ساتھی پر گولی چلا دیتے ہیں۔

چیچہ وطنی مہرآباد کے رہائشی حاجی محمد مشتاق صاحب کے نواسے حافظ افتخار احمد نے مجھے خود بتایا کہ میرے ماموں جان کی شادی تھی، رات کے وقت ڈاکو گھر میں آ گھسے۔ میرے ماموں کو ہینڈز اپ کرایا، کچھ نقدی وغیرہ لی، پھر دلہن کے کمرے میں چلے گئے سب کو یرغمال بنایا۔ اتنے میں ان کے والد اور دیگر بزرگوں کو، جو باہر صحن میں گپ شپ کر رہے تھے، کچھ اندازہ ہوا تو انھوں نے فوراً جوابی کارروائی کی آخر وہ ڈاکو کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ سب نے مل کر اس کی خوب دھلائی کی اور پھر پولیس کے حوالے کردیا۔

پھول نگر (قصور) کے علاقے میں کسی کو ایک شخص سے دو لاکھ روپے لینے تھے، وہ تو اس نے وقت پر دے دیے مگر ساتھ ہی ڈاکوؤں کو ففٹی ففٹی کی شرط پر آگاہ بھی کردیا۔ ڈاکو راستے میں کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے رقم لوٹی اور چلتے بنے۔ اس شخص نے ہمت سے کام لیا، ایک ڈاکو قابو کرلیا۔ ان دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو لوگ نکل آئے۔ جو ڈاکو دور تھے وہ تو فرار ہوگئے اور یہ قابو آ گیا۔ اس طرح اس کے دو لاکھ بھی واپس مل گئے اور ڈاکو سے مزید وارداتوں اور قتل کے انکشافات ہوئے۔

ہمارے محترم حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ صاحبِ تفسیر احسن البیان کے ہاں کئی سال پہلے ایک واردات ہوئی، فجر کی نماز کے وقت حافظ صاحب نماز پڑھانے گئے تو ڈاکو اندر گھس آیا۔ حافظ صاحب کی اہلیہ محترمہ کچھ دیر بعد دروازہ بند کرنے آئیں تو انھیں دروازہ کھلا نظر آیا، انھیں شک گزرا۔ وہ ذرا اندر ہوئیں تو ایک شخص الماری کے سامنے کھڑا تھا اور چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ خنجر لے کر ان کی طرف بڑھا۔ انھوں نے اس کے خنجر والے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگا، آخرکار وہ پکڑا گیا۔ لوگوں نے اسے حافظ صاحب کی اہلیہ محترمہ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے پہچان لیا اور اسے حوالۂ پولیس کیا گیا۔

ابھی پچھلے دنوں امریکہ سے خبر آئی تھی کہ ایک بس میں گن پوائنٹ پر ایک شخص لوٹ مار کرتا رہا۔ ایک صاحب اخبار پڑھ رہے تھے، انھیں خبر نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب اس نے ان پر پسٹل رکھا تو انھوں نے یکبارگی اسے دبوچ لیا اور پھر باقی سب بھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے حوالۂ پولیس کیا گیا۔ کسی نہ کسی کو ایکشن ضرور لینا چاہیے۔ کوئی تھوڑی سی ہمت کرے تو معاملہ بہتر ہوسکتا ہے۔

کچھ ہی دن گزرے ہیں۔ ایک گاؤں کی ویران سڑک پر ڈاکوؤں نے موٹر سائیکل سوار کو روک لیا۔ ڈاکو نے اسے مرعوب کرنے کے لیے بلٹ چڑھایا اور دھمکی کے دوران ایک دفعہ پھر بلٹ چڑھا دیا، موٹر سائیکل سوار سمجھدار تھا، اسے شک گزرا کہ یہ نقلی اسلحہ ہے۔ اس نے ان سے ہاتھا پائی شروع کردی، بالآخر انھیں جان چھڑا کر دوڑنا پڑا۔

روزنامہ جنگ 8 جنوری میں خبر تھی کہ ملتان میں جاشف کالونی کی ایک خاتون نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈاکو کو قابو کرلیا۔

ڈکیتی کے دوران، مزاحمت کرنے والوں اور ان کے سامنے سب کچھ پیش کرنے والوں کے مختلف واقعات آپ کے سامنے ایک سروے کی صورت میں پیش کیے ہیں۔ اب آیئے! ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

تجزیہ اور شرعی راہ نمائیاں

جو لوگ سب کچھ ڈاکوؤں کے حوالے کردیتے ہیں اور ادنیٰ سی بھی مزاحمت نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ چلو جان تو بچ گئی۔ انھیں یہ چیز بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ یہی مال کماتے ہوئے تو انھوں نے اسی قیمتی جان کو کئی سال کھپایا ہے۔ جس زندگی کو یہ بچا رہے ہیں اور ڈاکوؤں کو ایسی وارداتوں پر ابھار رہے ہیں، وہ زندگی تو انھوں نے اسی مال کے لیے صرف کی تھی۔ مال جمع کرتے وقت تو کوئی نہیں کہتا کہ محض مال اکٹھا کرنے کی خاطر اس قیمتی جان کے قیمتی لمحات ضائع کیے جا رہے ہیں بلکہ اس وقت نمازیں اور دیگر ضروری عبادات بھی ضائع ہو رہی ہوتی ہیں۔ اس وقت مال کا مقابلہ زندگی



سے نہیں کرتے لیکن جب کوئی ایسا سانحہ رونما ہوتا ہے تو ایک پلڑے میں زندگی کو اور دوسرے پلڑے میں اسی مال کو رکھ لیتے ہیں۔ اور اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔

جو لوگ مزاحمت کرتے اور قتل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں انھیں بہت حقیر اور ''بے چارہ'' بلکہ کم عقل اور بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ اور جو شخص سب کچھ ان کے سامنے رکھ دے وہ بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا ہے۔ آیئے! اس فرق کو حدیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں جانچتے ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے بتایئے کہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کا ارادہ رکھتا ہو (تو میں کیا کیا کروں؟) فرمایا: «فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ» ''تو تم اپنا مال اسے نہ دو۔'' صحابی نے عرض کی: اگر وہ مجھ سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دے تو کیا خیال ہے؟ فرمایا: «قَاتِلْهُ» ''تم بھی لڑائی میں اس کا مقابلہ کرو۔'' صحابی نے پھر عرض کی: اگر وہ مجھے قتل کر دے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: «فَأَنْتَ شَهِيدٌ» ''تو تم شہید ٹھہرو گے۔'' صحابی نے ایک بار پھر عرض کی: اگر وہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: «هُوَ فِي النَّارِ» ''وہ آگ میں جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 140)

دراصل یہی نبی ﷺ کی وہ راہ نمائی ہے جس نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کے لیے ابھارا ہے۔ اس فرمان میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ راہ نمائی کہ تو ڈاکو کو مال نہ دے، یہ بتاتی ہے کہ ہمیں اپنا مال بچانے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ آپ دیکھیں کہ اسلام نے مال سے از حد محبت کی حوصلہ شکنی بھی کی ہے لیکن اگر کوئی غلط طریقے سے مال ہتھیانے کی کوشش کرے اور ایک بالشت پر بھی ناجائز قبضہ کرے تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنانے کی وعید بھی سنائی ہے۔ بہرحال آپ ﷺ نے یہاں حکماً فرمایا ہے کہ تو اسے مال نہ دے۔ اگر کوئی خود مال دیتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کر کے ڈاکہ زنی کی وارداتوں کو پروان چڑھا رہا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جان بچانا فرض ہے تو اس کا جواب اسی حدیث میں آ رہا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ نے مال دے دیا یا ان کے سپرد کر دیا تو آپ کی جان بچ گئی۔ ایک خاتون کا چشم دید واقعہ ہے کہ کراچی میں ایک بس میں ڈکیتی ہوئی۔ ڈاکو سب کچھ لوٹ کر جانے لگے تو پچھلی سیٹ پر بیٹھی دو لڑکیاں اس بات پر ہنسنے لگیں کہ ان کے زیورات اصلی نہیں تھے، اسی ''ہنسنے'' کے جرم میں انھیں موقع ہی پر سفاک ڈاکوؤں نے قتل کر دیا۔ اور بہت سے ایسے واقعات بھی سامنے آتے رہتے ہیں کہ ڈاکو گاڑی بھی لے گئے اور مار بھی گئے۔

نبی ﷺ نے ڈاکو کا مقابلہ کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا..... یہی مزاحمت ہے اور یہ ضرور ہونی چاہیے۔ جس طرح قصاص میں زندگی ہے اسی طرح مزاحمت میں تحفظ ہے۔

مزاحمت کے دوران بات بڑھ جائے تو نوبت قتل تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ اور اکثر ڈاکو ہی قتل کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی ہمت کرنے والوں کے ہاتھوں ڈاکو بھی مارے جاتے ہیں۔ شرقپور سے رات کے وقت لاہور آتے ہوئے ڈاکوؤں نے ایک کار روکی اور بندوق تان لی۔ اس نے ابھی ڈرائیور پر بندوق تانی ہی تھی کہ کار میں بیٹھے ہوئے شخص نے دوسری طرف سے اس پر فائرنگ کر دی اور وہ موقع ہی پر دم توڑ گیا۔

یہ مرحلہ بہت کٹھن ہوتا ہے جو بڑی ہمت، دانائی اور ہوشمندی سے عبور کرنا ہوتا ہے۔ دانائی کی یہ صورت کہ ڈاکوؤں پر سب کچھ ''نچھاور'' کر دیا جائے، نبی ﷺ نے اس کا درس نہیں دیا۔ بلکہ مال کی حفاظت میں قتل ہونے کو شہادت قرار دیا ہے۔ جی وہی موت جسے ہمارے ہاں ''بے وقوفی'' ''ناسمجھی'' اور نہ جانے کن کن الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر آپ ﷺ نے اسے شہادت کی موت قرار دے کر اپنے مال کا تحفظ یقینی بنانے کی ترغیب دی ہے۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ پیغمبر ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ جان بچانا فرض ہے اس کے باوجود آپ نے مال کو تحفظ دینے کی ترغیب دی ہے۔

اس سلسلے میں ایک حدیث تو آپ نے اُوپر کی سطور میں پڑھی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ» ''جو شخص اپنے مال کے دفاع میں قتل کر دیا جائے، وہ شہید ہے۔'' (صحیح مسلم: 141)

دراصل قوموں میں مزاحمت کا شعور بیدار ہونا چاہیے۔ اس سے امن آئے گا اور خوشحالی



بسیرا کرے گی۔ ہر طرف سے ڈاکوؤں کو ''حوصلہ'' ہی ملے تو پھر تو ہر کوئی یہی دھندا شروع کردے گا۔ اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کے پیچھے یہی سوچ کام کرتی ہے۔

بھلا سوچیں تو وہ شخص جس کے پاس ناجائز اسلحہ بھی ہے وہ کس دیدہ دلیری سے معاشرے کا امن تباہ کررہا ہے۔ اس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کارروائی کرنی ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ رہا ہے تو اپنا مال بچانے کے لیے جان ہتھیلی پر کیوں نہیں رکھی جاسکتی۔ اگر ڈاکوؤں کے سامنے مزاحمت کی تحریک زور پکڑ لے۔ اور ڈاکوؤں کو گرفتار کیا اور کرایا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ ڈاکو یہ دھندہ چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ جب ''کاروبار'' ٹھپ ہوجائے تو لوگ فیلڈ بدل لیتے ہیں۔لیکن جب ڈاکوؤں کو پتہ ہو کہ لوگوں نے جان بچانے کی خاطر سب کچھ اپنے ہی ہاتھوں سے دے دینا ہے، کوئی ٹوکے گا اور نہ کوئی تعاقب کرے گا تو ''ڈاکوؤں'' کا ''کاروبار'' عروج پر ہوگا۔

سنت سے ہماری دوری نے آج ہمیں یہ دن دکھائے کہ اب ڈاکہ زنی ایک باقاعدہ پیشہ بن چکی ہے۔ جس کے سامنے بڑی بڑی مستحکم حکومتیں دست بستہ نظر آتی ہیں۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی طرف سے ایک انجانا سا خوف چھایا رہتا ہے اور پوری قوم ان مٹھی بھر عناصر کی وجہ سے یرغمال بنی ہوئی ہے اور بہت زیادہ اخراجات سکیورٹی کے حوالے سے اٹھانے پڑتے ہیں۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں اپنے مال کو ہر صورت تحفظ دینے کے شعور کو قومی اور ملی سطح پر اجاگر کرنا چاہیے۔ اور ڈاکہ زنی میں ملوث افراد اور ان کے رسہ گیروں تک یہ پیغام پہنچانا چاہیے کہ یہ ایک گھناؤنا جرم ہے جس کی سزا بڑی عبرتناک ہے۔

ڈاکہ زنی کا جرم

ڈاکہ زنی میں ملوث ہونے کا سبب جو بھی ہو، مثلاً: بے روزگاری، حق تلفی، راتوں رات کروڑ پتی بننے کا شوق یا بری صحبت کی وجہ سے ڈاکہ زنی میں شامل ہوجانا۔ سبب کوئی بھی ہو بہرحال یہ ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اور یہ ایسا جرم ہے جو بہ یک وقت کئی جرائم کا مرتکب بنادیتا ہے۔

ڈاکو کے جرائم کا جائزہ ایک نظر میں

① ارشاد نبوی ہے: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا» ''جس نے ہم پر اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں۔'' (صحيح مسلم: 98) ڈاکو اسلحے کے بغیر تو ایک آدمی تھا، اسے اسی اسلحے ہی نے ''ڈاکو'' بنایا ہے جو یہ مسلمانوں پر اٹھاتا ہے۔

② فرمان نبوی ہے: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا» ''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان پر گھبراہٹ طاری کرے۔'' (سنن أبي داود: 5004) ڈاکو بہت سے لوگوں پر خوف مسلط کرتا ہے، گھبراہٹ طاری کرتا ہے حتی کہ سانحہ ہونے کے کئی دن بعد تک بھی لوگ سہمے سہمے نظر آتے ہیں۔

③ اگر ڈاکو واردات کے دوران مارا جاتا ہے تو وہ یقیناً جہنمی ہے۔ جیسا کہ آپ تفصیل پڑھ آئے ہیں۔ جہنم کی وعید کوئی معمولی وعید نہیں ہے۔

④ ڈاکو گھروں میں گھس آتے ہیں، حالانکہ کسی کے گھر میں جھانکنا بھی شریعت میں جرم ہے۔ گھروں میں خواتین مختلف حالتوں میں ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے کبھی ڈاکہ زنی کے ساتھ ساتھ غیر ارادی طور پر زنا کاری کا ارتکاب بھی کر بیٹھتے ہیں اور کبھی ارادۃً بھی ایسے گھناؤنے جرم کے مرتکب بنتے ہیں۔

⑤ ڈاکو نے ہر حال میں اپنے آپ کو تحفظ دینا ہوتا ہے۔ اس کی خاطر وہ مدمقابل کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور ایک مسلمان کا قتل بجائے خود بہت بڑا گناہ ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے مال اپنے ہی درمیان باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔'' (النسآء 29:4) اور ڈاکہ زنی باطل طریقوں سے ایک بہت ہی باطل طریقہ ہے۔

⑦ یہ ظلم کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔ ایک شخص پوری زندگی بیرون ملک رہ کر کماتا رہا، اس کے کئی پروگرام اور منصوبے ہیں، وہ واپسی کا ارادہ کرتا ہے، ابھی گھر بھی نہیں پہنچتا کہ اسے لوٹ لیا جاتا ہے یا اس قسم کی کوئی بھی صورت حال ہو۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اور مظلوم کی پکار کے سامنے تو کوئی اوٹ اور حجاب بھی نہیں۔

⑧ جھوٹ کا مرتکب بھی ہونا پڑتا ہے، کوئی واردات جھوٹ کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتی۔ بعد میں یا پہلے ضرور جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

⑨ بدزبانی اور گالی گلوچ تو ڈاکوؤں کی فطرتِ



ثانیہ ہوتی ہے، جبکہ اس کی بھی بڑی شدید ممانعت ہے۔

⑩ زمین میں فساد کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سے ایک صورت ڈاکہ زنی بھی ہے۔ اللہ نے زمین پر بگاڑ کی ساری صورتوں کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (المآئدۃ 64:5)

⑪ ڈاکہ زنی یا دیگر حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔ اور یہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے حرام کما رہا ہے۔ حرام کمانا اور کھلانا بہت بڑا جرم ہے۔

سفارشات

① حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ڈاکوؤں کو لگام دے۔ ان پر کنٹرول حاصل کرے اور ان کو سرِعام سزا دی جائے۔ سزا بھی وہ ہو جو قرآن نے بیان کی ہے یا تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں، یا انھیں سولی لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں، یا انھیں جلاوطن کیا جائے۔ (دیکھیے: سورۂ مائدۃ، آیت:33 کے ذیل میں) ② جو لوگ مزاحمت کریں وہ زندہ رہیں یا ڈاکوؤں کی گولی کا نشانہ بن جائیں، انھیں خصوصی انعامات اور اعزازات سے نوازا جائے۔ ③ میڈیا پر ڈاکوؤں سے مزاحمت اور ان کے انجام کے بارے میں آگہی بخش پروگرام نشر کیے جائیں۔ ④ جن کے ہاتھوں کوئی ڈاکو مارا جائے اور اس سلسلے میں کوئی مقدمہ وغیرہ ہو جائے تو قانون میں ایسے جانبازوں کے لیے سہولت ہونی چاہیے۔ ⑤ پوری قوم کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں یرغمال نہیں بننا چاہیے بلکہ حکومت اور عوام مل کر ایسے عناصر کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ ⑥ ایسے عناصر کو قومی مجرموں میں شمار کیا جائے۔ یہ کسی فرد کے نہیں بلکہ انسانیت کے مجرم ہیں۔ ⑦ میڈیا پر ڈکیتی کی مزاحمت کے دوران قتل ہونے والوں کی خبروں میں احتیاط برتی جائے۔ میڈیا کے ذمے دار لوگ اس بات پر غور کریں کہ جب وہ خبر کو اس طرح نشر کرتے ہیں کہ ''فلاں جگہ ڈکیتی، مزاحمت پر سکیورٹی گارڈ یا مالک یا باپ بیٹا قتل'' خبر کو اس انداز سے شائع کرنے پر وہ کسے سبق دینا چاہتے ہیں؟ کیا عوام کو؟ تاکہ آئندہ کوئی مزاحمت نہ کرے۔ میڈیا اس میں اہم کردار ادا کرے اور خبر کو اس حد تک نشر کرے کہ فلاں جگہ ڈکیتی اور سکیورٹی گارڈ یا مالک کی بھرپور مزاحمت یا ڈاکوؤں کے مقابلے میں جرأت اور بہادری کا بھرپور مظاہرہ۔ اس میں جھوٹ ملانے کی ضرورت نہیں اگر مزاحمت کی ہو تو اسی انداز سے خبر بنائی جائے۔ ⑧ خطباء کو اپنے خطبوں کے اندر سال میں ایک نہ ایک جمعہ اس موضوع پر پڑھانا چاہیے۔

احتیاطی تدابیر

* گھروں اور تجارتی مراکز میں مسنون ذکر و اذکار کرتے رہیں۔ * گھر آنے جانے کا ٹائم ہمیشہ ایک نہ رکھیں۔ * بڑی رقوم کا لین دین صیغہ راز میں رکھیں یا انتہائی معتبر شخص کو بتائیں۔ * خواتین سرِعام اپنے زیور کی نمائش نہ کریں بلکہ پردے میں رہنے کا اہتمام کریں۔ اس طرح اللہ بھی راضی ہوگا اور ڈاکے سے محفوظ رہنے کے امکانات بھی یقینی ہو جائیں گے۔ * اپنے ملازموں، گھر میں کام کرنے والوں سے ہمیشہ محتاط رہیں۔ اکثر گھریلو راز انھی کے ذریعے عام ہوتے ہیں۔ * کسی اجنبی حتی کہ خواتین کو بھی چاہے وہ عمر رسیدہ ہی ہوں، لفٹ دیں نہ لفٹ لیں۔ * جب گھر سے نکلیں تو دروازہ اندر سے بند کرائیں یا خود بخود لاک ہونے والا دروازہ لگوائیں۔

آخر میں یہ بات یاد رکھیں کہ ہر خوف سے ''امن'' دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ اسی پر توکل کریں اور کبھی ایسی صورتِ حال سے سابقہ پڑ جائے تو اللہ کا نام لے کر ضرور اپنا اور اپنے مال کا دفاع کریں۔ اللہ کے نام میں بڑی طاقت ہے۔ ایسے موقع پر بلند آواز سے اللہ اکبر کہیں، اس وقت ڈاکو آپ سے کہیں زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے مقابلے میں معمولی سی کارروائی سے اس کے اعصاب شل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اُسے آسانی سے دبوچا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! آپ کہہ رہے ہوں گے کہ دفتر میں بیٹھ کر یہ باتیں لکھ دینا آسان ہے مگر عملی صورت میں مظاہرہ مشکل ہے..... میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اللہ ان سے محفوظ رکھے اور کبھی سابقہ پڑے تو اللہ ہمت دے، .....مگر اتنا ضرور ہے کہ اشکال بھی اسی صورت پیدا ہوتا ہے جب بحیثیت قوم ہم نے ڈاکوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہوں۔

آیئے! اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا عزم کیجیے۔



سوال ''اسلامی قانون وراثت'' شائع کردہ دارالسلام ص:23 پر لکھا ہے ''ہاں اگر اولاد کو بطور ہبہ کچھ دینا چاہے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے بشرطیکہ تمام ذکور واناث اولاد کو برابر ہبہ دیا جائے۔ چند ایک کو دینا اور دوسروں کو نظر انداز کرنا شرعی طور پر جائز نہیں۔'' جبکہ ایک شیخ نے بتایا کہ ① حدیث میں صرف بیٹوں کا ذکر ہے بیٹی کا نہیں، مزید یہ کہ بیٹی کا خرچ شادی کے بعد بذمہ شوہر ہوتا ہے۔ ② صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ «فاشهد علىٰ هذا غيرى» ③ صحیح مسلم ہی میں ہے کہ «أيسرك أن يكونوا إليك في البر سواءً، قال: بلى، قال: فلا إذا»

حدیث نمبر ② اور ③ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی ایک بیٹے کو ہبہ کرنا اور باقی کو محروم رکھنا جائز ہے، حرام اور باطل نہیں جیسا کہ 'شرح للنواوی'' میں اسی حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ «فمذهب الشافعي و مالك و أبي حنيفة أنه مكروه وليس بحرام والهبة صحيحة..... واحتج الشافعي وموافقوه بقوله ﷺ «فاشهد علىٰ هذا غيرى: قالوا ولو كان حراما أو باطلا لما قال هذا الكلام» آپ سے گزارش کی جاتی ہے کہ مہربانی فرما کر اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر مستند رہنمائی کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

① کیا ہبہ صرف بیٹوں کے لیے ہے، بیٹیاں شامل نہیں؟

② کیا ہبہ کسی ایک بیٹے کو دینا اور دوسروں کو نظر انداز کرنا شرعا جائز ہے؟ (سائل: مختار احمد مغل، کراچی)

جواب سوال میں مذکور اسلامی قانون وراثت کے حوالے سے جو آپ نے موقف نقل کیا ہے، دلائل کی روشنی میں وہی راجح ہے، یعنی تمام ذکور و اناث اولاد کو برابر ہبہ دیا جائے گا، نیز چند ایک کو دینا اور دوسروں کو نظر انداز کرنا شرعی طور پر جائز نہیں بلکہ یہ شرعاً باطل اور ظلم و جور ہوگا۔

اس کی دلیل نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی معروف حدیث ہے۔ یہ حدیث مختلف اور متعدد الفاظ و زیادات سے مروی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے۔ اس کی روایات و زیادات ہی کی روشنی میں اس مسئلے کا اصل حل ملتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کے متعدد طرق و روایات کا ذکر کیا ہے۔(فتح الباری:5/213-214)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن (5/191، مع معالم السنن) میں بالاختصار اس حدیث کی مختلف زیادات ملحوظ رکھ کر ان سے شرعی حکم کشید کیا ہے۔

علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ نے بھی اس کے مختلف الفاظ وطرق ذکر کیے ہیں۔(المسائل المهمة فيما تعم به البلوىٰ حكام الأمة، السؤال الرابع، ص: 70-71) یہ رسالہ علامہ صنعانی کے رسائل کے مجموعہ میں شائع ہوا ہے)

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے معنوی طور پر متواتر قرار دیا ہے اور اس

آپ کے سوالات اور ان کا حل



ابوالحسن حافظ عبدالخالق



موضوع پر اپنے ایک رسالے ''بدر شعبان الطالع في سما العرفان'' میں لکھا ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ (المجموع، ص:397 امام صنعانی کے سات رسائل کا مجموعہ)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ ان کی والدہ محترمہ عَمرہ بنت رواحہ نے ان کے والد گرامی بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ میرے بیٹے نعمان کو کوئی ہدیہ دو، انھوں نے انھیں ایک غلام ہبہ کر دیا، لیکن ان کی والدہ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بھی بنالو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: کیا تو نے باقی اولاد کو بھی اسی طرح تحفہ دیا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا، کسی اور کو گواہ بنالو۔'' (صحيح البخاري: 2586، وصحيح مسلم: 1623)

ابن قیم رحمہ اللہ اس حدیث کے مختلف الفاظ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ صحیح اور (باقی اولاد کو محروم کر دینے کی) تحریم و بطلان پر دس لحاظ سے صریح ہیں۔ تحریم و بطلان کی یہ دس صورتیں حدیث ہی سے اخذ ہوتی ہیں، فرماتے ہیں: «وهذه كلها ألفاظ صحيحة صريحة في التحريم والبطلان من عشرة أوجه، تؤخذ من الحديث» (تهذيب السنن: 192/5)

اس موضوع پر ابن القیم کی مستقل تصنیف بھی ہے جیسا کہ تہذیب السنن میں انھوں نے ذکر کیا ہے لیکن ہماری اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بچے کو محروم کرنا یا اُس پر کسی کو ہدیے میں فوقیت دینا، یعنی اسے زائد دینا ناجائز ہے، فرماتے ہیں: «وَإِذَا أَعْطَى بَعْضَ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطَى الْآخَرُ مِثْلَهُ.....» ''جب کوئی شخص اپنے کسی بچے کو کچھ دے تو یہ ہدیہ ناجائز ہوگا یہاں تک کہ ان کے مابین عدل کرے اور دوسرے کو بھی اتنا ہی دے۔'' (صحيح البخاري، الهبة، باب الهبة لِلْوَلَدِ)

ابن حجر فتح الباری (211/5) میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مذکور حدیثِ نعمان ان اہل علم کی دلیل ہے جو عدل و مساوات کو واجب قرار دیتے ہیں۔ «وحديث الباب عن النعمان حجة من أوجبه»

آگے جا کر لکھتے ہیں: «وقد تمسك به من أوجب التّسوية في عطية الأولاد، وبه صرّح البخاري وهو قول طاوس والثوري وأحمد وإسحاق، وقال به بعض المالكية» جنھوں نے اولاد کے درمیان ہبے میں مساوات کو واجب قرار دیا ہے، وہ اسی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے وجوب ہی کی تصریح فرمائی ہے۔ امام طاوس، سفیان ثوری، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے، اور بعض مالکیہ بھی اس موقف کے حامل ہیں۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے۔ وہ اولاد کے مابین تسویہ (برابری) کو مستحب سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نے کہا ہے کہ بوسہ دینے میں بھی برابری کا اہتمام کرے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہدیہ یا عطیہ میں اولاد کے مابین تسویہ (لازمی طور پر) کرے، اس حوالے سے مذکر و مؤنث سب برابر ہیں، یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اولاد کے درمیان تسویہ، یہ ہے کہ مذکر کو مونث سے دوگنا دیا جائے جیسے وراثت کی تقسیم میں ہوتا ہے، یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ (جامع الترمذي: 1367)

فائدہ: بیٹے بیٹی کو بوسہ دینے میں بھی عدل و مساوات کی ترغیب ہے، اس بارے میں حسن درجے کی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ (الصحيحة: 2883، 3098,2994)

اور آپ نے جو ایک شیخ کا حوالہ دیا ہے کہ ''حدیث میں صرف بیٹوں کا ذکر ہے بیٹی کا نہیں، مزید یہ کہ بیٹی کا خرچ شادی کے بعد بذمہ شوہر ہوتا ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹی کو محروم کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں، نیز اس لیے بھی کہ اس کا خرچ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے۔ چلو یہ تو شادی کے بعد کی بات ہے لیکن شادی سے قبل جبکہ وہ باپ کی زیر کفالت ہو، اسے محروم کر دینے کی اول الذکر دلیل انتہائی کمزور ہے، کیونکہ اس حدیث کے بعض طرق میں ''وَلَد'' اور ''أولاد'' کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ عرب کے ہاں لفظ ولد یا اولاد کے تحت لڑکا لڑکی دونوں



ہی داخل ہیں۔

بیٹی کی شراکت اور لفظ ولد کا لغوی مفہوم

امام خلیل بن احمد لکھتے ہیں: «الولد اسم يجمع الواحد والكثير والذكر والأنثى» ''لفظ ولد ایسا اسم ہے جو ایک اور کثیر افراد کو، نیز مذکر و مونث دونوں کو جامع ہے۔'' (العين: 1066، مزید دیکھیے: لسان العرب: 467/3)

محکم میں ابن سیدہ فرماتے ہیں: «وَالْوَلَدُ وَالْوُلْدُ: مَا وُلِدَ أَيًّا كان، وهو يقع على الواحد والجميع والذكر والأنثى» ''جو بھی بچہ پیدا ہوا سے ولد کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق مفرد، جمع، نیز مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔'' (المحكم: 429/9)

فیض القدیر میں ہے: «والولد يشمل الذكر والأنثى» ''لفظ ولد لڑکے لڑکی دونوں کو شامل ہے۔'' (فيض القدير از مناوی: 2496/5)

قرآن مجید میں آیتِ میراث ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي اَوْلَادِكُمْ .....﴾ میں لفظ ''اولاد'' یا ''ولد'' کا جو ذکر ہوا ہے دونوں جنسوں کو شامل ہے۔ اس عموم کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان «أنا سيّد ولد آدم ولا فخر» (سنن الترمذي، 3615، وسنن ابن ماجه: 4308) سے بھی ہوتی ہے کہ آپ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں، جن میں مردوں سمیت عورتیں بھی شامل ہیں۔

ان چند معروضات کی روشنی میں مذکورہ شیخ کا موقف درست نہیں ٹھہرتا، اس لیے بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی ہدیے یا تحفے کا بتقاضائے عدل استحقاق رکھتی ہیں، اور انھیں محروم کر دینا شرعاً ظلم ہے۔

فاشهد علىٰ هذا غيري سے احتجاج

جہاں تک صحیح مسلم کی حدیث «فاشهد علىٰ هذا غيري» ''اس پر میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالو'' اور «أيسرك أن يكونوا إليك في البرسواء؟ قال: بلٰى قال: فلا إذًا» سے آپ کے استدلال و احتجاج کا تعلق ہے کہ ان دونوں دلیلوں سے ''پتا چلتا ہے کہ کسی ایک بیٹے کو ہبہ کرنا اور باقیوں کو محروم رکھنا جائز ہے، حرام اور باطل نہیں'' تو یہ استدلال باطل ہے، کیونکہ دیگر زیادات کی روشنی میں «فاشهد على هذا غيري» سے مقصود زجر و توبیخ اور بشیر بن سعد کے رویے کا ابطال مقصود ہے۔ قرآن وسنت میں اس اسلوب کے کئی نظائر ملتے ہیں۔

ابن قیم کی توضیح

ابن قیم رحمہ اللہ اس کی تردید میں فرماتے ہیں: ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: «هٰذَا جَوْرٌ، أشهِد على هذا غيري» ''یہ ظلم و جور ہے، اس پر کسی اور کو گواہ بنالو۔'' فرماتے ہیں: یہ الفاظ اس لحاظ سے صریح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان «أشهد على هذا غيري» اجازت کے طور پر نہیں بلکہ زجر و توبیخ اور تہدید کے لیے ہے، کیونکہ اس تقسیم کو آپ علیہ السلام نے ظلم و جور کا نام دیا ہے۔

مزید لکھتے ہیں: کیونکہ رسول اللہ ﷺ ظلم و زیادتی کی اور جو معاملہ درست نہ ہو اور باطل ہو، اس کی اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے: «إني لا أشهد إلا على حق» تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نعمان کے والد نے جو کیا تھا حق نہ تھا، تو جب وہ حق نہ تھا تو قطعی طور پر باطل ٹھہرا۔ المختصر آپ علیہ السلام کا یہ فرمان «أشهد على هذا غيري» تحریم کی دلیل ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِعْمَلُوا مَاشِئْتُمْ﴾ ''جو چاہو سو کرو۔'' اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إذا لم تستحي فاصنع ماشئت» جب تجھے شرم نہ آئے تو جو چاہو کرو۔'' بہرحال مذکورہ حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے پر گواہی دینا میری شان کے لائق نہیں، اور نہ مجھے جچتا ہی ہے بلکہ اس قسم کی تقسیم پر گواہی تو وہی دے سکتا ہے جو ظلم و جور، ناحق اور باطل معاملات پر گواہی دیتا ہو، اور یہ مفہوم انتہائی واضح ہے۔ (تهذيب السنن: 192/5-193 مع معالم)

امام ابن دقیق العید کی تحقیق

ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی جمہور کے مذکورہ استدلال کو غیر قوی قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس اسلوب سے مقصود مذکورہ فعل سے شدید نفرت دلانا ہی ہے نہ کہ اس سے اجازت و اباحت مقصود ہے۔ (إحكام الأحكام: 139/4 مع العدة)



رہی یہ دلیل «أيسرك أن يكونوا إليك في البر سواء.....» تو پتا نہیں شیخ نے اسے مذکورہ دعویٰ کے لیے کیسے دلیل بنالیا، حالانکہ یہ تو اولاد کے مابین عدل ومساوات قائم رکھنے کی دلیل ہے، فتدبر۔

الغرض ان گزارشات کی روشنی میں شرح نووی کے حوالے سے پیش کردہ ائمہ ثلاثہ کا موقف یقیناً ضعیف ہے، ایسا ہبہ مکروہ ہی نہیں بلکہ ناجائز اور باطل ہوگا، اور اس سے رجوع لازم ہے۔

خیر جو ائمہ عدل ومساوات یا تسویہ بین الأولاد کے وجوب کے قائل نہیں اور حدیث میں وارد أمر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اور اگر کسی بچے کو محروم کردیا جائے تو ان کے نزدیک ہبہ یا تحفہ صحیح ہوگا لیکن مع الکراہت، تو انھوں نے اپنے اس موقف کے اثبات میں حدیثِ نعمان کے دس جواب دیے ہیں لیکن حقیقت میں دلائل کی روشنی میں یہ جوابات انتہائی بھُربھرے ہیں۔ تفصیل دیکھنی ہو تو فتح الباری (5/214-215) ملاحظہ کی جاسکتی ہے، مزید فوائد کے لیے ملاحظہ ہو: (نيل الأوطار: 6/405-407)

علامہ صنعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جمہور کے دلائل میں عدل وتسویہ کے استحباب پر صرف مشتبہ قیاسات اور کمزور استدلالات ہیں۔ «وللجمهور أقيسة شبهية واستدلالات على الندب واهية» (المسائل المهمة، السئوال الرابع) ان کے نزدیک بھی اولاد کے درمیان ہبہ وعطیہ میں مساوات واجب ہے، اور زندگی میں ذکور واناث کی حیثیت اس حوالے سے یکساں ہے، لکھتے ہیں: «والذكور والإناث سواء» (المسائل المهمة: 72، مجموعۂ رسائل)

آگے جاکر لکھتے ہیں: «فالقول بوجوب التسوية وبطلان خلافها هوالذي نادت عليه هذه الألفاظ.....» ''تو وجوب تسویہ اور اس کے برعکس موقف کے بطلان ہی پر یہ الفاظ دلالت کناں ہیں'' (ایضاً)

نیل الأوطار میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے تسویہ کو واجب قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اولاد میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا حرام ہے، لکھتے ہیں: «فالحق أن التسوية واجبة وأن التفضيل محرم» (نيل الأوطار: 6/406)

عدل وتسویہ کے وجوب کے دلائل

یہاں تک سائل کے دلائل کا جائزہ تھا اب مذکورہ بالا موقف کی ترجیح میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی زیادات کی روشنی میں ہمارے دلائل ومستدلات ملاحظہ فرمایئے:

① پہلی دلیل: «فإن هذا لايصلح» (صحيح مسلم: 1624، وسنن أبي داود: 3545) سیدنا نعمان کے والد ماجد کو آپ علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب وہ انھیں غلام ہبہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تھے اور آپ کو اس پر گواہ بنانا چاہتے تھے۔ تب آپ نے فرمایا کہ یہ تقسیم درست نہیں، تو جو عمل شرعاً درست نہ ہو وہ ناجائز ہوتا ہے۔

② دوسری دلیل: «إني لا أشهد إلا على حق» ''میں صرف حق پر گواہ بنتا ہوں۔'' (ایضاً) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض کو محروم کردینا ناحق عمل ہے، اور جو ناحق عمل ہو غیر شرعی ہوتا ہے۔

③ تیسری دلیل: «لا تُشهدني على جور» ''مجھے ظلم پر مت گواہ بنا۔'' (صحيح البخاري: 2650، وصحيح مسلم: 1623/16) اور بعض روایات میں «لا أشهد على جور» کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعمان رضی اللہ عنہ کے والد کا مذکورہ عمل ظلم وجور تھا۔ اور شریعت مطہرہ میں ظلم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

④ بخاری ومسلم میں «فارجِعْهُ» کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ (صحيح البخاري: 2586، وصحيح مسلم: 1623/9)، یعنی جو غلام تو نے بطور ہبہ دیا ہے جاکر واپس لے لو۔ معلوم ہوا ان کا مذکورہ عمل درست نہ تھا تبھی تو یہ فرمایا۔ اگر شرعاً درست ہوتا تو اسے یہ حکم نہ فرماتے۔

⑤ پانچویں دلیل: اس موقع پر آپ علیہ السلام نے انھیں یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' «فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم» (صحيح البخاري: 2587، وصحيح مسلم: 1623/13)

اس حدیث میں تقوے کا حکم ہے۔ معلوم ہوا جو عدل نہیں کرتا وہ غیر متقی ہے، نیز آپ علیہ السلام نے عدل کا حکم بھی دیا ہے جو اس کے وجوب کی دلیل ہے، کیونکہ امر کے حقیقی معنی یہی ہیں۔

⑥ چھٹی دلیل: صحیح مسلم میں ہے کہ پھر میرے والد گرامی نے وہ صدقہ



(ہبہ) واپس لے لیا «فرجع أبي فرد تلك الصدقة» اور صحیح بخاری میں ہے کہ «فرجع فرد عطيته» یعنی وہ عطیہ واپس لے لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ بھی آپ علیہ السلام کے حکم سے یہی سمجھے کہ یہ ہبہ ناجائز ہے۔

⑦ ساتویں دلیل: ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: «اعدِلوا بين أولادكم، اعدلوا بين أولادكم» ''اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو، اپنی اولاد کے مابین عدل کرو۔'' (سنن أبي داود: 3544، وسنن النسائي: 3687، ومسند أحمد: 275/4، والحديث حسن واللفظ للنسائي) یہاں عدل کا حکم تکرار کے ساتھ ہے جس سے مذکورہ حکم کی مزید تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

⑧ آٹھویں دلیل: صحیح مسلم میں «فأشهِد على هذا غيري» کے الفاظ ہیں۔ اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ زجر وتوبیخ کا اسلوب ہے، نہ کہ اس سے مذکورہ عمل کی اجازت مقصود ہے۔ اس مفہوم کی دلیل مذکورہ اور مابعد کے تمام دلائل ہیں۔

⑨ نویں دلیل: سنن النسائی میں بسند صحیح یہ الفاظ مروی ہیں: «أَلَّا سَوَّيتَ بَيْنَهُم» ''تونے ان کے درمیان برابری کیوں نہ کی۔'' (سنن النسائي: 3715) نسائی ہی کی حدیث نمبر 3716 کے الفاظ ہیں: «سَوِّ بَيْنَهُم» ''یعنی ان کے درمیان برابری کرو، ابن حبان میں بھی یہ الفاظ مروی ہیں (ابن حبان: 438/11، حديث: 5098) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: «سَوُّوا بين أولادكم في العطية كما تحبون أن يُسَوُّوا بينكم في البر» ''اپنی اولاد کے درمیان عطیے میں برابری سے کام لو، جیسے تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمھارے درمیان نیکی میں برابری سے کام لیں۔''

یہ حدیث صحیح ہے۔ شرح معانی الآثار اور بیہقی (178/6) وغیرہ میں آتی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو: (الصحيحة: 264/7، القسم الأول)

پہلی روایت میں «أَلَّا» حرف تحضیض ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے تسویہ پر ابھارا ہے، جبکہ دوسری اور تیسری روایت میں مساوات وتسویے کا حکم ہے۔

جبکہ «سَوّوا بين أولادكم في العطية فلوكنت مفضلا فضلت البنات» کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ ''عطیہ میں اولاد کے درمیان برابری کرو: اگر میں فضیلت وفوقیت دینے والا ہوتا تو بچیوں کو فوقیت دیتا۔'' (طبرانی کبیر 354/11، وسنن البيهقي: 177/6) لیکن یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں سعید بن یوسف ضعیف ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند حسن قرار دی ہے، (فتح الباری 214/5) جبکہ تلخیص میں ضعیف کہا ہے (التلخيص الحبير، حديث: 1362) اور یہی راجح ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الضعيفة: 340، إرواء الغليل: 1628، للألباني) لیکن بخاری ومسلم اور سنن نسائی کی مذکورہ روایات کی روشنی میں اس روایت کے پہلے حصے کی معنوی طور پر تائید ہوتی ہے۔

⑩ دسویں دلیل: رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تیرے ساتھ نیکی میں بھی وہ سب برابر ہوں «أيَسُرُّك أن يكونوا إليك في البِرِّ سواءً؟» (صحيح مسلم: 1623/17) جب والد بچوں میں ناانصافی کرے گا، یا بعض کو نوازے اور بعض کو محروم کردے تو نتیجہ واضح ہے، یعنی اس سے اولاد کی نافرمانی کا دروازہ کھلتا ہے۔ والدین کی قدر ومنزلت میں فرق آتا ہے، نیز یہی رویہ انھیں باغی بنا سکتا ہے، اور ایسی بھونڈی تقسیم بچوں کی نافرمانی اور والدین سے ان کی دُوری کا ذریعہ وسبب بن سکتی ہے اس لیے اس کا سدباب ضروری ہے۔

خلاصۃ البحث

المختصر حدیثِ نعمان کی مختلف روایات وزیادات کی روشنی میں پتا چلا کہ ہبہ میں بیٹیاں بھی شامل ہوں گی، نیز بیٹوں اور بیٹیوں میں تسویہ ضروری ہے۔ زندگی میں تحائف دیتے وقت بیٹے، بیٹی کا فرق نہیں ہے، نیز ہبے میں بعض بیٹوں کو نوازنا اور بعض کو محروم کرنا شرعاً حرام ہے، اس تحریر کے بعد شیخ البانی رحمہ اللہ کا کلام بھی نظر سے گزرا، انھوں نے بھی عدل ومساوات کو واجب قرار دیا ہے۔ (الصحيحة: تحت رقم: 3098) جہاں تک ائمہ ثلاثہ یا جمہور کے مذکورۃ الصدر موقف کی بات ہے تو دلائل صریحہ کی روشنی میں یہ موقف ضعیف اور ان کے پیش کردہ دلائل کھوکھلے اور رکیک ہیں، وباللہ التوفیق۔

❁❁❁❁❁



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

① لکڑی کی تلوار

عَدِیسہ بنت اہبان کہتی ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ بصرہ آئے تو میرے والد کے ہاں بھی تشریف لائے اور ان سے کہنے لگے: ابومسلم! اس (شامی) قوم کے خلاف آپ میری مدد نہیں کریں گے۔ عدیسہ کہتی ہیں کہ میرے والد نے عرض کی: کیوں نہیں! پھر انھوں نے اپنی چھوٹی بچی کو آواز دی اور اس سے کہا: بیٹی! میری تلوار لانا۔ وہ تلوار لے آئی۔ انھوں نے وہ تلوار تقریباً ایک بالشت میان سے باہر نکالی تو وہ لکڑی کی تھی، پھر کہنے لگے: میرے انتہائی پیارے دوست اور آپ کے چچا کے بیٹے، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ: «إِذَا كَانَتِ الفِتْنَةُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاتَّخِذْ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ» ''جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھوٹ رہا ہو تو تم لکڑی کی تلوار تھام لینا۔'' لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اس طرح آپ کے ساتھ چل نکلتا ہوں!! سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھے آپ کی اور آپ کی تلوار کی ضرورت نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجه: 3960، والسلسلة الصحيحة: 1380)

② اپنا مال یا وارث کا مال؟

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ» ''تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ اسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال عزیز ہو؟'' عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے تو کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کے مال سے زیادہ اس کے وارث کا مال اسے عزیز تر ہو۔ فرمایا: «اِعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنْكُم أَحَدٌ إِلَّا مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ مَا لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا قَدَّمْتَ وَ مَالُ وَارِثِكَ مَا أَخَّرْتَ» ''اچھی طرح جان لو! تم میں سے ہر ایک اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کو عزیز سمجھتا ہے۔ تیرا مال وہ ہے جو تو نے اپنے لیے آگے بھیج دیا اور تیرے وارثوں کا مال وہ ہے جو تو نے پیچھے رہنے دیا۔'' (مسند أحمد: 382/1)

③ دانا شخص

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَحْيَسُهُمْ أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا، وَأَحْسَنُهُمْ لَهُ اِسْتِعْدَادًا، أُولٰئِكَ الْأَكْيَاسُ» ''اور ان میں سے دانا اور سمجھدار وہ ہے جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے اور اس کی بہترین تیاری رکھتا ہے۔ یہی لوگ دانا ہیں۔'' (السلسلة الصحيحة: 1384)

④ جہنمی کا سانس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس مسجد میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ نمازی ہوں تو ان میں ایک جہنمی آجائے اور وہ سانس لے اور ان نمازیوں کو اس کے سانس کا اثر پہنچے تو یہ مسجد اور اس کے سارے نمازی جل جائیں۔'' (السلسلة الصحيحة: 2509)

⑤ بہترین اور بدترین لوگ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اچھے اور برے لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں۔ اچھے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کے راستے میں اپنے اونٹ یا گھوڑے پر یا پیادہ ہی اللہ کے راستے میں کسی کام میں لگا رہتا ہے حتی کہ اسے موت آجاتی ہے۔ اور برے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو بڑا فاجر اور جسارت کرنے والا ہوتا ہے وہ کتاب اللہ تو پڑھتا ہے مگر اس کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔'' (مسند أحمد: 37/3)



نیلسن منڈیلا کے لیے دعائے مغفرت؟

ابو علی

5 دسمبر 2013ء کو جنوبی افریقہ کے سابق صدر نیلسن منڈیلا وفات پاگئے۔ وہ دنیا کے ان چند لیڈروں میں سے ایک تھے جس کے انتقال پر بہت سے لوگوں نے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ اس کی وجہ نیلسن منڈیلا کا اچھا اخلاق و کردار تھا۔

معزز قارئین! نیلسن منڈیلا میں کئی خوبیاں تھیں جن کی بنیاد پر پوری دنیا میں ان کے مداح انھیں خراجِ تحسین اور خراجِ عقیدت پیش کررہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نیلسن منڈیلا غیر مسلم تھے اور جن اوصافِ کریمہ کے وہ حامل تھے، یقیناً وہ قابل تعریف ہیں۔ اس لیے ان کے غیر مسلم ہونے کے باوجود اگر کوئی مسلمان ان کے مکارمِ اخلاق کی وجہ سے ان کی تعریف کرتا ہے یا انھیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے تو اس میں کوئی قباحت اور حرج نہیں ہے۔ اسلام میں اس کی اجازت ہے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی طرف سے بنوثعلبہ کے ایک یہودی نے بھی شرکت کی تھی، اس کا نام مُخَیرِیق تھا۔ جنگ کے لیے جانے سے پہلے اس نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی مدد کرنے کی ترغیب دی لیکن یہود نے ہفتہ کے دن کا بہانہ بنا کر انکار کردیا۔ مُخَیرِیق ان کی پروا کیے بغیر اکیلا ہی نکل آیا۔ وہ اُحد کے مقام پر پہنچا اور مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ وہ تھا یہودی لیکن اس کا یہ اقدام نہایت قابل ستائش تھا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کی موت پر اس کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا: «مُخَيْرِيقُ خَيْرُ يَهُودَ» ''مُخَیرِیق بہترین یہودی تھا۔''

(الرحیق المختوم:381)

معاملہ صرف غیر مسلم کے کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کرنے تک موقوف ہوتا تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا، لیکن نوبت بہ ایں جا رسید کہ اہل اسلام ان کے لیے باقاعدہ درجات کی بلندی اور مغفرت کی دعائیں کرنے لگے۔ مسلمان بھی عوام نہیں بلکہ وہ لوگ جو ان کے نمائندہ اور لیڈر شمار ہوتے ہیں اور اعلیٰ مناصب پر براجمان ہیں، چنانچہ 7 دسمبر کے مختلف اخباروں کے اولین صفحہ پر جلی حروف میں یہ سرخی دیکھ کر میں سرپیٹ کر رہ گیا ''سینٹ: راجہ ظفر الحق نے نیلسن منڈیلا کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کرائی۔'' اس خبر کی تفصیل یوں تھی کہ جمعہ کو سینٹ کے اجلاس میں قائد ایوان راجہ ظفر الحق نے تجویز دی کہ نیلسن منڈیلا کی وفات پر ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ چیئرمین سینٹ نیئر حسین بخاری نے اس کی اجازت دی۔ بعدازاں قائد ایوان راجہ ظفر الحق نے ایوان میں دعا کرائی کہ اس بندے نے اللہ کی مخلوق کے لیے خدمات سرانجام دیں اور تکالیف اٹھائیں، اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ہماری بھی اسی طریقے سے راہنمائی کرے۔

یہ خبر پڑھ کر دل کو دھچکا سا لگا اور راجہ صاحب سمیت تمام اراکین سینٹ پر انتہائی افسوس ہوا اور ترس بھی آیا۔ افسوس اس بات پر ہوا کہ ان لوگوں نے اسلامی ملک کی سب سے اہم مجلس میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا اور ترس اس بات پر آیا کہ دنیاوی لحاظ سے یہ لوگ جس قدر قد آور ہیں، اخروی لحاظ سے اتنے ہی پست ہیں کہ انھیں دین اسلام کے بنیادی مسائل تک کا علم نہیں ہے۔

نیلسن منڈیلا گو دنیاوی لحاظ سے اچھے انسان تھے لیکن تھے تو غیر مسلم اور کافر۔ اور



غیر مسلم اور کافر کے لیے نہ مغفرت کی دعا ہوسکتی ہے نہ درجات کی بلندی کی۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا اٹل فیصلہ ہے جسے کوئی راجہ و مہاراجہ تبدیل نہیں کرسکتا۔

عوام اور خواص کی اس مسئلے سے اس قدر لاعلمی کی بنا پر میں نے سوچا کیوں نہ قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں اس مسئلے کو واضح کردیا جائے تاکہ لوگ آئندہ ایسی کوتاہی سے محفوظ ہوجائیں۔

جس شخص تک اللہ کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا پیغام پہنچ جاتا ہے اور وہ اسے قبول کرنے کی بجائے پس وپیش سے کام لیتا ہے۔ اپنا عقیدہ و مذہب تبدیل نہیں کرتا اور اسلام کی بجائے اپنی ملت ہی پر مرتا ہے، وہ جہنمی ہے۔ اس کے لیے رفعِ درجات کی دعا ہوسکتی ہے نہ مغفرت وبخشش کی۔ ایسے شخص نے دنیا میں اگر کچھ اچھے کام کر رکھے ہوتے ہیں تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں دے دیتا ہے، آخرت میں ایسے شخص کے لیے عذاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ ''اور ہم اس کی طرف آئیں گے جو انھوں نے کوئی بھی عمل کیا ہوگا تو ہم اسے بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔'' (الفرقان 23:25)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالتِ کفر ہی میں مرگئے، ان میں سے کسی ایک سے فدیے کے طور پر زمین بھرنے کے بقدر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں۔'' (آل عمران 91:3)

نیلسن منڈیلا کی خدمات تو اپنی قوم اور ملک تک محدود تھیں جبکہ ابوطالب اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کی خدمات کا دائرہ منڈیلا سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ ابوطالب نے ملک و قوم کی خدمت کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کی بھی بے مثال خدمت کی۔ 42 سال نبی کریم ﷺ کے لیے باپ کی طرح سایۂ شفقت بنے رہے۔ جب تک ابوطالب کے جسم میں جان رہی تب تک کسی کو محمد ﷺ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اتنا عظیم آدمی لیکن رغبت دلانے کے باوجود قبولِ اسلام سے محروم رہا۔ اسلام کے عدمِ قبول کی وجہ سے اس کی یہ ساری خیرخواہی دھری کی دھری رہ گئی اور عذابِ الٰہی آتشِ دوزخ کی صورت میں ہمیشہ کے لیے اس کا مقدر بن گیا۔ آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ ابوطالب آپ کی حمایت کیا کرتا تھا اور آپ کی خاطر غضب ناک ہوجایا کرتا تھا، کیا اس کو اس کا فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں اتھلی (کم گہری) آگ میں ڈالا جائے گا جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی، اس سے بھی ان کا دماغ کھولے گا۔'' (صحیح مسلم: 210)

ابوطالب نے چونکہ اسلام قبول نہیں کیا، اس لیے اسے ان نیکیوں کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ اسلام کی خاطر دی جانے والی قربانیاں بھی اس کے کسی کام نہ آئیں۔ ان کی وفات پر نبی کریم ﷺ نے یہ بات کہی کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہیں کردے گا، تب تک میں ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاردی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ''نبی (ﷺ) اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں خواہ وہ قرابت دار ہی ہوں اس کے بعد کہ ان کے لیے صاف ظاہر ہوگیا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔'' (التوبۃ 113:9 و صحیح البخاري: 1360)

جب نبی کریم ﷺ کے سگے چچا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو منڈیلا کے لیے اس کا جواز کہاں سے کشید کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہزاروں منڈیلے ہوں تو ایک ابوطالب کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ لیکن اسلام نے ان کے لیے بھی اپنے اٹل فیصلے میں تخفیف گوارا نہیں کی۔ ویسے بھی نبی کریم ﷺ نے ہمیں عمومی ضابطہ یہ دے دیا ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کا کوئی بھی فرد، یہودی ہو یا عیسائی، میرے متعلق سن لے، پھر وہ مرجائے اور اس (دین) پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ اہل جہنم ہی سے ہوگا۔'' (صحیح مسلم: 153)

دعوتِ اسلام پہنچنے کے باوجود کوئی یہودی یا



عیسائی ایمان نہیں لاتا تو وہ جہنمی ہے۔ اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں ہوسکتی۔ ذرائع ابلاغ کی جدت اور تیزی نے اس دنیا کو گلوبل ویلیج بنادیا ہے۔ ان ذرائع کی بدولت گھر گھر دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے جو یقیناً منڈیلا صاحب تک بھی ضرور پہنچی ہوگی۔ ویسے بھی وہ بامطالعہ شخصیت تھے اور لکھاری بھی تھے۔ ان کی زندگی میں ان کی سوانح عمری خود نوشت Long Walk To Freedom (آزادی کا طویل سفر) چھپ کر منظر عام پر آچکی تھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مطالعہ کا شائق ایک شخص دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ''قرآن مجید'' کے متعلق سن اور پڑھ نہ پائے۔ ہم ایک وقت کے لیے فرض کرلیں کہ انھیں قرآن مجید کی ابدی سچائی کے متعلق علم نہ ہوسکا تو بھی وہ معذور نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی لمبی عمر دی تھی جو تمام عذروں کو ختم کردیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے عذر کو ختم کردیا ہے جس کی موت میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ اسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔'' (صحيح البخاري: 6419) فرمانِ نبوی کے مطابق ساٹھ سال کی عمر آدمی کے عذر کو ختم کردیتی ہے جبکہ منڈیلا صاحب نے تو اس سے 35 سال زیادہ عمر پائی ہے وہ بالاولیٰ اس حدیث کے مصداق ہیں اور کسی طرح معذور قرار نہیں پاتے۔ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اور کافر کے لیے دعائے مغفرت ہوسکتی ہے نہ کوئی نیک کام اس کے لیے سودمند ہوسکتا ہے۔

ابن جُدعان مکے کا ایک رئیس تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس کے ہاتھ ایک بڑا خزانہ لگ گیا، چنانچہ وہ لوگوں پر دل کھول کر خرچ کرنے لگا۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتا اور صلہ رحمی سے پیش آتا، لیکن اسلام قبول نہ کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اس کی یہ نیکیاں روز قیامت اسے نفع دیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، کیونکہ اس نے کبھی (اپنی بندگی اور عبودیت کا اظہار کرکے) نہیں کہا: میرے پروردگار! روزِ قیامت میری خطاؤں کو معاف کردینا۔'' (صحيح مسلم: 214)

امام نووی نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: «بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ لَا يَنْفَعُهُ عَمَلٌ» ''اس بات کی دلیل کہ جس کا خاتمہ کفر پر ہوا، اسے کوئی عمل فائدہ نہیں دے گا۔''

معلوم ہوا کہ کسی شخص کو دنیا کے کسی عمل اور دعا کا فائدہ تب ہوتا ہے جب اس کا خاتمہ حالتِ اسلام میں توحید الٰہی پر ہوا ہو۔ اگر اسلام اور توحید نہیں تو اس کے لیے ہر عمل بے سود ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص اور ان کے بھائی ہشام رضی اللہ عنہما نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ اپنے والد عاص بن وائل کی طرف سے 100 اونٹ صدقہ کریں گے۔ عاص بن وائل کفر کی حالت میں مرا اور نبی کریم ﷺ کا سخت ترین مخالف تھا۔ سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ صدقہ کردیے جبکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: «اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ» ''اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا اس کی طرف سے صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اسے اس کا ثواب پہنچ جاتا۔'' (سنن أبي داود: 2883)

اس حدیث سے بھی یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ اسلام کے بغیر کسی عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے قبرستان میں داخلے کے وقت جو دعا سکھائی ہے اس کے الفاظ بھی اسی حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد مغفرت و عافیت کی دعا صرف اہل اسلام کا حق ہے۔ غیر مسلم کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کی جاسکتی۔ دعا کے ابتدائی الفاظ ہیں: «اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ» ''سلام ہو تم پر اے گھر والو! مومنوں اور مسلمانوں میں سے۔'' (صحيح مسلم: 975)

غیر مسلم خواہ کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو، اگر اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں ہوسکتی۔ ایسے کافر کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی بجائے مسنون عمل یہ ہے کہ اسے آگ کی بشارت دی جائے۔ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میرا والد صلہ رحمی کرتا تھا اور اس میں فلاں فلاں خوبیاں تھیں، وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم میں۔ اسے یہ جواب ناگوار گزرا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو جہاں بھی کسی مشرک کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے جہنم کی خوش خبری دے دے۔ بعد میں اس اعرابی نے اسلام قبول کرلیا (اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے)



اس نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مشکل کام میرے ذمے لگا دیا ہے کہ جب بھی میرا گزر کسی کافر کی قبر کے پاس سے ہوتا ہے، میں اسے جہنم کی خوشخبری دیتا ہوں۔'' (سنن ابن ماجه: 1573، والسلسلة الصحيحة: 18)

اس حدیث کی روشنی میں منڈیلا صاحب بشارت جہنم کے مستحق تو بنتے ہیں دعائے مغفرت کے حق دار نہیں بنتے۔ اگر سینٹ کے ممبر اسلامی تعلیمات کے شناور اور غیرتِ اسلامی سے سرشار لوگ ہوتے تو حق دار کو وہی حق دیتے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرتے۔ لیکن سینٹ پر تو نام نہاد جمہوریت کے علمبردار قابض ہیں جو چڑھتے سورج کو سلام کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا مقصود رب العٰلمین کی خوشنودی نہیں بلکہ عالمی طاقتوں کی دلجوئی ہے۔ جو چیز انھیں بھلی لگتی ہے یہ جمہوری پروانے دیوانہ وار اس پر نچھاور ہوجاتے ہیں، خواہ وہ اسلام کی صریح تعلیمات کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ نام نہاد جمہوریت ہی کا کرشمہ ہے کہ غیر مسلموں کے ڈرون کے ذریعے ہلاک ہونے والا مسلمان جمہوریت پسندوں کی ڈکشنری میں دعائے مغفرت کا سزاوار تو کجا شہید کہلانے کا مجاز بھی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ''سر پھرا'' اسے شہید کہنے کی ''فاش غلطی'' کرلے تو اہل جمہوریت اور اس کا خوشہ چین میڈیا آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

اور دوسری طرف ایک غیر مسلم جو صرف اپنی قوم وملت کا خیر خواہ تھا، اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی کا ادنیٰ سا کلمہ بھی اس سے ثابت نہیں، حالت کفر میں مرجائے تو یہ پاسبان جمہوریت اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں، چنانچہ ایک غیر مسلم اور کافر کے لیے مغفرت اور رفعِ درجات کی دعائیں ہورہی ہیں اور اس جیسا بننے کے جذبات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات کی اس قدر توہین پر کوئی ان سے سوال کرنے کی جسارت کرنے کو تیار نہیں ہے۔

روزنامہ جنگ کے ایک صحافی (محمد سعید اظہر) نے تو جرأت رِندانہ کی انتہا کردی۔ وہ راجہ صاحب سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے۔ راجہ صاحب اور ان کے رفقاء نے تو صرف رفعِ درجات کی دعا کی، موصوف نے عملی طور پر انھیں وہاں پہنچا دیا اور انھیں ''اصحاب الیمین'' اللہ کے پسندیدہ، جنت کے حقداروں کی فہرست میں شامل کردیا۔ لیجیے ان کے الفاظ پڑھیے اور سر دھنیے: ''قیامت کے روز مختلف گروہوں میں سے ایک گروہ ''اصحاب الیمین'' کے نام سے موسوم ہوگا، اس کی بے شمار اقسام ہوں گی، لیکن ہر قسم کے نیک بندے ان میں آجائیں گے۔ ہماری امیدوں کے طاق میں نیلسن منڈیلا کا نام بھی رکھا ہوا ہے، چنانچہ نیلسن منڈیلا سر! آپ اپنی ابدی قیام گاہ میں آرام کیجیے، ہم آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔ (روزنامہ جنگ 18 دسمبر، ص: 10)

موصوف کالم نگار وضع سے باریش اور مذہبی دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کا کالم ''بغل میں چھری اور منہ سے رام رام'' کا آئینہ دار محسوس ہوتا ہے۔ مغرب زدہ صحافیوں کی تو آپ بات ہی چھوڑ دیں۔ خیر وشر جانچنے کے ان کے اپنے ہی ضابطے ہیں۔ کسی کو نیک اور جنتی بنانے پر آئیں تو منڈیلا اور مدر ٹریسا جیسے عیسائی اور ہندو کو نیک بنا کر اصحاب الیمین میں داخل کردیں اور کسی کی مخالفت پر اتر آئیں تو داعیان کتاب و سنت کو منبعِ شر اور شیطان قرار دے کر طوفانِ بدتمیزی بپا کردیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ بات بجا کہ منڈیلا نے اپنی قوم کی خاطر بڑی صعوبتیں برداشت کیں جس پر انھیں خراجِ تحسین پیش کیا جاسکتا ہے لیکن ایسا بھی کیا ہوا کہ ان جیسا بننے کی خواہشیں شروع کردی جائیں۔ کیا اسلام اس حوالے سے تہی دامن ہے اور گلستان اسلام میں کوئی بھی گل منڈیلا کے جوڑ کا نہیں ہے، حالانکہ چمنستان اسلام ہر وقت ایسی ہزاروں کلیوں سے مہک رہا ہے جو منڈیلا سے ہزار گنا بہتر ہیں۔

تو ناداں جو چند کلیوں پہ قناعت کرگیا
وگرنہ گلشن میں تنگی داماں کا ساماں اور بھی تھا

حقیقت یہ ہے کہ بطور مسلمان ہمیں یہ تمام خوبیاں نیلسن منڈیلا سے سیکھنے کی بجائے رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین سے سیکھنی چاہئیں۔ سادگی، وفاداری، اخلاصِ عمل اور جذبۂ تعمیر اسلام سے بڑھ کر اور کس مذہب نے سکھایا ہے۔ دنیا آج تک مثالی حکمرانوں کی فہرست میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا ثانی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ یہ خوبیاں انھوں نے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے براہِ راست

شیخ الحدیث
محمد یوسف راجووالوی رحمہ اللہ

ابن بشیر الحسینوی الاثری، مدرس دارالحدیث راجووال

14 جنوری 2014ء کا دن تھا۔ اذان فجر سے قبل راقم اپنے کمرے میں مطالعے میں مصروف تھا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھولا تو شیخ عدنان ﷾ نے کہا کہ محترم باباجی وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے دعاؤں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نماز فجر شیخ عبید الرحمٰن محسن ﷾ نے پڑھائی۔ بڑی مشکل سے قراءت کر رہے تھے۔ مختصر سی سورتوں پر اکتفا کیا اور نماز کے بعد والد محترم کی چند نصیحتیں بیان کیں، مثلاً: مجھے نئی آبادی راجووال کے قبرستان میں دفنانا، میرا جنازہ میرا بڑا بیٹا حافظ عبدالرحمٰن پڑھائے اور میرے کفن کا اہتمام محمد علی جوہر کرے۔ میرے جنازے سے پہلے میری تعریف میں تقاریر نہ کرنے دینا، اس موقع پر سب سے بڑی عبرت خود میت ہوتی ہے۔ میرے فوت ہونے پر بھی مدرسے کی کلاسز کو مسلسل جاری رکھنا ہے تاکہ طلباء کی تعلیم کا حرج نہ ہو، بس کچھ دیر کے لیے پڑھائی کا تعطل کر لینا تاکہ تمام طلبا میرے جنازے میں شریک ہوسکیں۔ ان تمام نصیحتوں پر عمل کیا گیا والحمدللہ۔

باباجی رحمہ اللہ نے قمری حساب سے تقریباً 98 سال عمر پائی اور ساری زندگی دین کی آبیاری کرتے گزر گئی۔ ان کی زندگی بے شمار خوبیوں سے مزین تھی۔ وہ مفکر تھے۔ وہ محدث تھے۔ وہ ولی تھے۔ وہ اتحاد کے داعی تھے۔ وہ ساری زندگی دین کے لیے فکرمند رہے۔ اپنی زندگی کا ہر ہر سانس دین کی خاطر صرف کیا اور اپنے پیچھے شاگردوں کا ایک جمِ غفیر چھوڑا جو پوری دنیا میں قرآن وحدیث کی صدا بلند کر رہے ہیں اور اپنی یادگار جھونپڑیوں کے سائے میں شروع کیا جانے والا ادارہ دارالحدیث ایک عظیم مرکز کی صورت میں چھوڑا۔

باباجی کی زندگی بہت زیادہ پہلوؤں سے منفرد تھی، وہ بہت بڑے سخی تھے، وہ دردِ دل رکھنے والے انسان تھے۔ وہ دکھی انسانیت کا ہاتھ تھامنے والے اور دین کے طلبا سے والہانہ محبت کرنے والے تھے، وہ ایک مثالی مہمان نواز تھے۔ وہ بذات خود ایک تحریک تھے۔ وہ وفادار تھے، جس کے ساتھ چلے اس کے ساتھ زندگی گزار دی۔ انھوں نے ہر شعبے میں کام کیا، مثلاً: دعوت وتبلیغ، نشر واشاعت، تحریکوں میں حصہ لینا، قوم کی زمام قیادت کو سنبھالنا، مساجد قائم کرنا اور دینی جامعات کو عروج پر پہنچانا۔ وہ ہر اچھے انسان کے قدر دان تھے۔ ان کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد قرآن وحدیث تھا۔ ہر جگہ قرآن وحدیث سے رہنمائی لی، خواہ غمی ہو یا خوشی۔ اگر میں کہوں کہ وہ اپنی ذات میں ایک تاریخ تھے اور بذات خود ایک ادارہ تھے تو بے جا نہ ہوگا۔

مولانا یوسف رحمہ اللہ کے جنازے میں تقریباً تمام سلفی مدارس کے شیوخ نے شرکت کی۔ کئی جنازے ہوئے اور قبر پر بھی کئی جنازے پڑھے گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ باباجی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ ادارہ دارالحدیث راجووال کو تاقیامت ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

باباجی کے حالات زندگی پر مفصل کتاب لکھنا شروع کر دی ہے جس میں مرحوم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو سپردِ قرطاس کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ محترم باباجی سے خط وکتابت یا کسی قسم کی یادیں کسی کے پاس محفوظ ہوں تو ہمیں ضرور فراہم کریں۔

ایڈریس: دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ، 0302-4056187

حاصل کی تھیں۔ دنیا کے تین براعظموں پر حکومت کرنے والے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بچھونا کھجور کی چٹائی تھی۔ ان کا کوئی اضافی پروٹوکول، سیکرٹریٹ اور لمبے چوڑے دفاتر کا نظام نہ تھا۔ کیا مجال کہ آج تک کوئی مؤرخ ان کے عہد حکومت میں کسی شعبے کی کمزوری کی طرف انگلی اٹھا سکتا ہو۔ نام نہاد جمہوریت کے نمک خواروں کو اپنے قیمتی لعل وگوہر تو دکھائی نہیں دیتے اور غیروں کے آرٹیفشل فنکار بڑی جلدی نظر آنے لگتے ہیں اور فوراً دل میں بھی اتر جاتے ہیں۔

مانگتے پھرتے ہو اغیار سے مٹی کے چراغ
اپنے خورشید پہ پھیلا دیے سائے تم نے

کاش کبھی سیاست کے یہ راجے اور مہاراجے خلفائے راشدین جیسا بننے اور ان کے نظام جیسا نظام نافذ کرنے کی بھی خواہش کریں اور زیادہ نہیں صرف ایک بار ہی جمعہ کے دن منڈیلا کے لیے دعا کی طرح خلوص دل سے سینٹ میں اس کے لیے بھی دعا فرمادیں۔ جمعہ کے دن ویسے بھی قبولیت کی ایک گھڑی ہوتی ہے، ہوسکتا ہے ان راجوں کی دعا قبولیت کی گھڑی پالے اور اس ملک کی تقدیر بدل جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان منڈیلا سمیت دنیا بھر کے حریت پسندوں، انقلابیوں اور مخلص لوگوں کے قصیدے ضرور پڑھتے ہیں لیکن عمل کی باری آنکھیں میچ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔

❁❁❁❁



حافظ عبدالسمیع

تخمینے، اندازے اور خوش فہمیاں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے اُن کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔'' (الروم 41:30)

ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں یقیناً ان کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ آج ہم عمومی طور پر اپنے متعلق خوش فہمی کا شکار ہیں اور دوسروں کے متعلق اندازے، تخمینے قائم کرنے اور حوصلہ شکن تبصرے کرنے کے عادی ہیں۔

یہ نہایت سنگین جرم ہے! حدیث میں ہے: ''لوگوں کے معاملات میں مداخلت سے بچو، اگر تم ان کی ٹوہ میں رہو گے تو ان میں فساد برپا کرو گے۔'' (صحیح الجامع الصغیر: 1050)

لوگوں کے معاملات میں ہماری مداخلت اور حوصلہ شکن تبصرے معاشرے کی تباہی کا بہت بڑا سبب ہیں۔ عام طور پر تبصرے کرنے کے عادی لوگ خوش فہمی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ باکمال لوگ ناگزیر حالات میں بھی دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے نہایت محتاط انداز میں تبصرہ کرتے ہیں جس سے اصلاح کے امکانات بیش از بیش ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی ''سیاستدان'' جب کسی سیاسی اجتماع سے مخاطب ہو یا ''کوئی اینکر'' جب کسی ٹی وی چینل پر تبصرہ کر رہا ہو تو ان کا انداز نہایت جارحانہ ہوتا ہے۔ آخر کیوں؟

یقیناً یہ بے چارے خوش فہمی کے مرض میں مبتلا ہیں اور اپنے آپ کو فرشتہ صفت اور عقلِ کُل سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے، آمین!

قیاس آرائیاں نہ کرو

آج ہم عموماً کسی کے متعلق ایک رائے قائم کر لیتے ہیں، بسا اوقات ہماری رائے خلافِ واقع ہوتی ہے لیکن پھر بھی ہم موقع بہ موقع اپنی رائے کا اظہار کرتے رہتے ہیں، حالانکہ ہم سے کسی نے رائے مانگی نہیں ہوتی۔ ہمارا یہ عمل بھی اپنے متعلق خوش فہمی کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔'' (الحجرات 12:49)

حدیث میں اس کو «أكذب الحديث» سب سے بڑا جھوٹ کہا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري: 6066)

تجسس نہ کرو

عمومی طور پر ہمیں عادت ہے کہ ہم لوگوں کے عیوب اور ان کی خامیاں تلاش کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تجسس نہ کرو۔'' (الحجرات 12:49)



غیبت نہ کرو

جب کسی کا عیب یا کمزوری ہمارے سامنے آجاتی ہے تو ہم اسے آگے بیان کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ یہ نہایت سنگین جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (الحجرات 12:49)

غلط اندازِ تربیت

ہم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو دردِ دل رکھتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں لیکن وہ موقع محل کا خیال نہیں رکھتے۔ وہ عموماً پبلک مقامات، یا بھری مجلس، یا دوستوں کی محفل میں نصیحت واصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اس میں پہلے اس بندے کا عیب بیان کرتے ہیں اور پھر اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسے افراد ڈبل فائدہ حاصل کرتے ہیں: ① اپنے ہدف کو بھری مجلس میں ذلیل و رسوا بھی کر دیتے ہیں ② اور اپنی قابلیت، تقویٰ و پرہیزگاری کا اعلان بھی کر ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین!

اسی طرح بعض اساتذہ کرام طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے اور بعض والدین اپنی اولاد کو تنبیہ کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس میں ان کی عزتِ نفس مجروح ہوجاتی ہیں اور ان کی اصلاح ہونے کے بجائے ان کے بگڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

محترم قارئین! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے مناسب وقت، مناسب مقام اور محتاط اندازِ گفتگو رکھنا چاہیے تاکہ ہمارا مخاطب اپنی اصلاح کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔'' (النحل 125:16)

باکمال لوگ حوصلہ افزائی کرتے ہیں

باکمال لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہیں اور موقع بہ موقع ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔

غزوۂ احد کے موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مشرکین پر بڑی ہمت و دلیری کے ساتھ تیر برسا رہے تھے۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لیے فرمایا: ''سعد! تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان۔'' (صحیح البخاری: 2905)

غزوۂ موتہ میں جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کی کمان سنبھالی اور نہایت جرأت مندی اور حکمتِ عملی سے دشمن کو شکست دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں «سیف من سیوف اللّٰہ» ''اللہ کی تلوار'' کا لقب عطا کیا۔ (صحیح الترغیب والترھیب: 1364) ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خالد بہترین آدمی ہیں اور یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔'' (السلسلة الصحیحة: 1238)

حوصلہ افزائی اور حوصلہ شکنی کے نتائج

ہمیں اپنے ادارے کی ترقی، نیک نامی اور کارکنوں کے کام میں حسن ونکھار پیدا کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

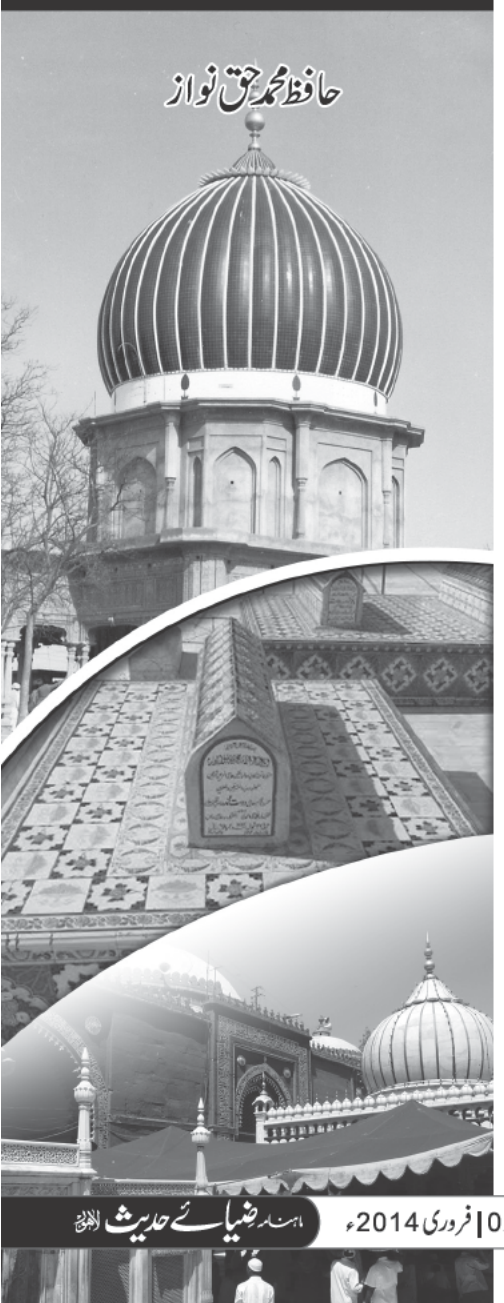
ایک سروے کے مطابق جن اداروں میں مینجمنٹ اور سینئر سٹاف، جونیئر سٹاف کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، مثبت انداز میں ان کی خامیوں کی اصلاح کرتے ہیں، وہ ادارے بہت تیزی سے ترقی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جن اداروں میں مینجمنٹ اور سینئر سٹاف، دیگر کارکنوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، ان کی ترقی کی رفتار سست ہوتی ہے۔ اور جن اداروں میں کارکنوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، ان کی صلاحیتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے انھیں دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ ادارے زوال پذیر ہوتے ہیں اور بالآخر تباہ ہو جاتے ہیں۔

محترم قارئین! ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر ہمارے اندر ان میں سے کوئی ایک بُرائی پائی جا رہی ہے تو اسے فوراً ترک کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، آمین! وما توفیقی الا باللّٰہ علیه توکلت و الیه انیب.

❁❁❁❁

قبر پرستی ایک فتنہ

حافظ محمد حق نواز



قبر پرستی اور بت پرستی

موجودہ دور میں مزاروں اور درگاہوں کی تعظیم وتکریم مساجد جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر کی جاتی ہے۔ علیحدہ مسجد موجود ہوتی ہے مگر لوگ قبر کے پیچھے اس طرح کھڑے ہوتے ہیں کہ قبلہ بھی بن جائے اور قبر بھی درمیان میں آجائے۔ قبروں کے باقاعدہ طواف کیے جاتے ہیں۔ بطورِ تبرک قبروں پر ہاتھ پھیرے جاتے ہیں۔ اصحابِ قبور کی تصاویر گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں میں برکت کے لیے آویزاں کی جاتی ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ عقائد کے بگاڑ میں ''قبر'' کا بہت بڑا دخل ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ابومحمد المقدسی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا مُردوں کی (حد سے بڑھی ہوئی) تعظیم ہی تھی کہ لوگ شیطان کے کہنے پر ان کی تصویریں بناتے، ان کی قبروں کو چھوتے اور ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے۔ (اغاثة اللهفان: 216/1) علامہ شامی لکھتے ہیں کہ دنیا میں بت پرستی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اولیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا گیا۔ (رد المحتار، ص: 352) اس کے بعد آہستہ آہستہ انبیاء واولیاء کی شکل وصورت میں اینٹوں اور پتھروں کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کردی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اس قوم (یہود ونصاریٰ) پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔'' (مسند أحمد: 246/2)

امت محمدیہ میں بت پرستی کا وقوع

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ گروہ مشرکوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل وثن پرستی نہ کرنے لگ جائیں۔'' (سنن أبي داود: 4252) آپ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق امت محمدیہ سے نسبت رکھنے والے چند قبائل اور جماعتیں قیامت سے پہلے پہلے دو قسم کے شرکوں ''صنم پرستی اور وثن پرستی'' کا ضرور ارتکاب کریں گے۔

مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ صنم اور وثن کے مابین فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اگر کسی جن، فرشتے، پیغمبر، شہید، بزرگ اور ولی کی صورت بنا کر اس کی پرستش کی جائے تو اس کو ''صنم پرستی'' کہتے ہیں اور اگر کسی مکان، جگہ، پہاڑ، دریا، جنگل، ٹیلہ، پتھر، کاغذ اور لکڑی وغیرہ کو غیر اللہ کے نام کا مقرر کرکے اس کو پوجیں، اس کے لیے وہ کام کریں جو اللہ کے لیے مخصوص ہیں تو یہ فعل ''وثن پرستی''



کہلاتا ہے۔'' (انوار التوحید، ص: 156)

نبی ﷺ نے جن گروہوں کے مشرک ہوجانے کی اطلاع دی ہے ان کے شرک کا تعلق اسی قسم سے ہے جس میں آج کی اکثریت مبتلا ہے۔ البتہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین اور ہندو وغیرہ ''صنم پرست'' بھی تھے اور ''وثن پرست'' بھی۔

قبر پرستی و بت پرستی کا مقصد

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو ان نیک اور صالح بزرگوں اور ان کی روحوں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ کے طور پر پیش کرکے ان کی سفارش کے ذریعے اپنے رب کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا اصل مقصد رضائے الٰہی ہی ہوتا ہے۔

یہی غرض و غایت زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کے پیش نظر ہوتی تھی۔ ان کا مقصد بھی رضائے الٰہی ہی ہوتا تھا، یعنی ہر مشرک اور بت پرست کا اصل مقصد نہ بتوں کی خوشنودی ہوتا ہے نہ ان کے ناموں کی رضا مطلوب ہوتی ہے بلکہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے تقرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا متلاشی ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول منقول ہے: ''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔'' (الزمر 3:39) بعینہٖ دورِ حاضر کے لوگوں نے بھی اللہ تک رسائی اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے دو واسطے بنا رکھے ہیں، ایک واسطہ مٹی کی قبروں، منقش و مزین قبوں اور قیمتی و عالیشان گنبدوں کا اور دوسرا واسطہ (فرضی یا واقعی) اولیاء اللہ اور صالحین کا جو ان قبروں میں آسودگانِ خاک ہوچکے ہیں یا جن کی طرف ان قبروں، مزاروں اور خانقاہوں کی نسبت ہوچکی ہے۔

عرس اور میلے قبر پرستی کی جڑ ہیں

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مشرکین کا قبروں کو عید (میلہ) بنانا یہی ہے کہ وہ قبروں کی طرف باقاعدہ نیت کرکے سفر کرتے ہیں۔ عبادت کے لیے وقت کا تعین کیا جاتا ہے خصوصی اجتماعات اور محافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم، ص: 377) امام زین العابدین اور اہل بیت صحابہ کرام وغیرہ ایسے لوگوں کو، جو باقاعدہ قصد کرکے نبی ﷺ کی قبر پر آکر بار بار دعا کیا کرتے تھے، اس سے منع کرتے ہوئے آپ ﷺ کا فرمان سنایا کرتے تھے کہ ''میری قبر کو عید (میلہ) نہ بناؤ، یعنی بار بار عبادت کی نیت سے حاضری نہ دو۔'' (سنن أبي داود: 2042) اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بدعات میں سے ایک بہت بڑی بدعت یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قبروں کے متعلق بہت سی باتیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں اور قبروں پر عرس اور میلے لگانا شروع کردیے ہیں۔ (تفہیمات الٰھیہ: 72/2)

بزرگوں کی قبروں، درباروں اور مزاروں پر منعقدہ عرس اور میلوں کا اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ عہد نبوت، قرون ثلاثہ، محدثین و مجتہدین اور ان کے کئی صدیوں بعد تک کہیں بھی عرس کا وجود نہیں ملتا۔ ان میں بدعات و خرافات کے علاوہ اخلاقی خرابیاں سرعام پائی جاتی ہیں، اپنے ہی جیسی کمزور مخلوق کو مدد کے لیے پکارنا، ان کی نذر و نیاز دینا، ان کی قبروں کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے رہنا، مال ضائع کرنا، چراغ جلانا، ڈھول اور طبلہ بجاکر ناچنا، مرثیہ اور قوالیاں گانوں کی طرز پر پڑھنا وغیرہ سب ہندوؤں کی نقالی ہے۔ ان کی رسوم و عادات کی اندھی تقلید ہے۔ ان کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مسلمانوں نے یہ کام اسلامی عقائد و علوم کے فقدان کی وجہ سے ہندوؤں کی تقلید میں اپنا لیے ہیں۔ ایک نومسلم عبیداللہ ہندی رحمہ اللہ، جو کہ ہندوؤں کے سابقہ پنڈت تھے، ''تحفۃ الہند'' میں لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی کوئی ایسی رسم نہیں ہے جس کی نقل برصغیر کے مسلمانوں میں نہ ہو۔ خواہ اس رسم کا تعلق اعتقادات و عبادات سے ہو یا عادات و معاملات سے، سب کی سب مسلمانوں نے اپنا رکھی ہیں۔

مزاروں پر منعقدہ عرسوں میں شرکت

آج کل ایک بہت بڑا فتنہ قبروں، مزاروں اور درباروں وغیرہ کی طرف سفر کرنے کا ہے۔ یہ فتنہ اس قدر عام ہوچکا ہے کہ عوام سے لے کر خواص تک، جہلاء سے لے کر علماء تک سب اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ لاکھوں، کروڑوں روپے خرچ کرکے لوگ اندرون و بیرون ممالک



میں موجود مزاروں پر حاضری کے لیے جاتے ہیں اور اس عمل کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر ان برگزیدہ بندوں کی قبروں کی مختلف طریقوں سے پوجا پاٹ کر کے شرک جیسے عظیم گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی بھی مقام کو متبرک اور مقدس سمجھ کر باعث اجر خیال کر کے رخت سفر باندھنے سے منع کیا ہے۔

(صحيح البخاري: 1189)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ان تین مقامات کے علاوہ کسی بھی معزز و مقدس مقام کی طرف باقاعدہ سفر کر کے جانا جائز نہیں ہے خواہ وہ معزز مقام قبور انبیاء اور کوہ طور ہی کیوں نہ ہو۔ کوہِ طور پر ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی تھی۔ کوہِ طور ہی وہ مقدس پہاڑ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بقعہ مبارکہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (القصص 30:28) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ و نظریہ بالکل صحیح اور درست ہونے کے باوجود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں کوہِ طور کا سفر کر کے واپس آیا تو ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے دریافت فرمالیا کہ کہاں سے آمد ہوئی ہے؟ میں نے کہا: کوہِ طور سے۔ کوہِ طور کا نام سنتے ہی چونک اٹھے۔ کہنے لگے کہ اگر مجھے آپ کی روانگی سے قبل علم ہوجاتا تو میں آپ کو ہرگز کوہِ طور کی طرف نہ جانے دیتا کیونکہ آپ ﷺ نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی بھی مقام کو معزز و مقدس سمجھ کر اجر و ثواب کی غرض سے اس کی طرف سفر کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ فقیہ الامت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کی موافقت کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی۔ (مسند أحمد: 6 / 7، حديث: 2435) معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اس حدیث کو اپنے عموم پر ہی محمول کیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر جمہور علمائے امت کا مسلک بھی ظاہر نص کے مطابق ہی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قبروں کے لیے سفر کر کے جانا اور اصحابِ قبر سے مانگنا قبر پرستی ہے۔ اور یاد رکھیے! بت پرستی اور قبر پرستی کا جرم قتل اور زنا کے جرم سے بڑھ کر ہے۔ (تفهيمات الٰهيه: 49/2)

قبروں کی زیارت

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مطلق زیارت قبور جائز ہے لیکن قبروں، مزاروں اور درباروں کی طرف دور دراز سے باقاعدہ سواریوں اور سامان سفر کے ساتھ اہتمام کر کے جانا ناجائز ہے۔ مطلق زیارت قبور بھی خاص مقاصد کے تحت جائز ہے کہ زیارت قبور سے انسان کو اپنی موت اور آخرت یاد رہے۔ ان دونوں مقاصد کا حصول کافروں اور مسلمانوں، دونوں کی قبروں سے ہوسکتا ہے۔ البتہ ایک مسلمان کے لیے یہ مشروع ہے کہ زیارت قبور کے وقت فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت کرے البتہ یہ چیز (دعائے مغفرت) کفار کے لیے ممنوع ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو خود بھی رو پڑے اور ساتھیوں کو بھی رُلا دیا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے رب سے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی لیکن اللہ نے مجھے نہیں دی، پھر میں نے صرف زیارتِ قبر کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی، لہٰذا تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تمھیں موت یاد دلاتی ہیں۔'' (صحيح مسلم: 976، وسنن ابن ماجه: 1572)

لہٰذا مطلقاً قبروں کی زیارت جائز ہے۔ مدفون کے لیے دعا و استغفار بھی جائز ہے۔ لیکن اصحابِ قبور کو مدد کے لیے پکارنا، انھیں واسطہ، وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی میں درخواست گزار ہونا شرکیہ اعمال میں شمار ہوتا ہے۔

قبر پرستی کے اسباب

یہ بات جاننے کے باوجود کہ نفع و نقصان کا مالک ربّ العالمین ہے، اصحابِ قبور اپنے عابدین کے نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ ان کی موت و حیات کے، پھر بھی قبروں کے آس پاس مجاور و معتکف بنے بیٹھے ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

① **جہالت علمی:** قبر پرستوں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہے کہ انبیاء و رسل کیوں مبعوث ہوئے۔ ان کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اثباتِ توحید ربّ العالمین اور شرک کے اسباب کا خاتمہ تھا۔ اسی فقدان علم کی بنا پر شیطان نے قبروں کی عبادت اور پوجا پاٹ کو نہایت مزین و خوبصورت بنا کر ان کے دل و دماغ



میں حاوی کرنے کے بعد قبر پرستی کی دعوت دی جسے وہ کم علمی کی بنا پر نہ ٹھکرا سکے اور شیطان کے دجل و فریب اور دھوکے کا شکار ہوگئے۔ بالکل ہی جاہل لوگ تو شیطان کی ترغیب کی وجہ سے قبروں کے رکوع و سجود، طواف، نذر و نیاز اور اصحاب قبور کی ندا و پکار سے لے کر اعتکاف و چلہ کشیوں تک میں مبتلا ہوگئے۔ اور جن کے پاس تھوڑا بہت علم تھا وہ بھی شیطان کے مکر و فریب سے نہ بچ سکے۔ انھیں صریح شرک کی بجائے متبرک قبور پر اعتکاف، مراقبہ اور چلہ کشیاں کرکے اصحاب قبور سے فیوض و برکات سمیٹنے پر لگا دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں فریق ہی شیطان کے مکر و فریب کا شکار ہوکر شرک کی انتہائی تاریک وادی میں داخل ہو چکے ہیں۔

② **من گھڑت اور جھوٹی احادیث:** قبر پرستی کے جواز کے لیے ایسی احادیث وضع کی گئی ہیں جو آج تک لوگوں کی گمراہی اور قبر پرستی کے رواج کا سبب بنی ہوئی ہیں، مثلاً: ''جب تمھیں امور (معاملات) پریشان کریں تو اصحاب قبور کو لازم پکڑو۔'' اسی طرح ''اگر تم میں سے کوئی بھی اپنا گمان پتھر کے بارے میں درست رکھے گا تو وہ بھی اسے فائدہ دے گا۔'' تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر واقعی یہ حدیث صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مشرکین مکہ کے ساتھ قتال کا حکم نہ دیتا جن کا بنیادی جرم ہی یہ تھا کہ وہ پتھروں کے ساتھ اعتقاد و عقیدت رکھتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی احادیث وضع کر لی گئی ہیں۔

③ **من گھڑت حکایات:** سب سے بڑا فتنہ جس نے لوگوں کو قبر پرستی کی لعنت میں مبتلا کر رکھا ہے وہ خود ساختہ اور من گھڑت حکایات ہیں جو کہ قبر پرستوں کے لیے قبروں کے بارے میں گھڑی جاتی ہیں، مثلاً: فلاں بزرگ کی قبر پر استغاثہ کرنے سے فلاں کی مشکل حل ہوگئی، فلاں کی مصیبت دور ہوگئی، اپاہج و پاگل تندرست ہوگیا، فلاں دربار پر تین بار حاضری سے اولاد مل جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

④ **پس پردہ جرائم کے مراکز:** بڑے افسوس سے یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ بزرگوں کی قبروں، مزاروں، خانقاہوں اور درگاہوں پر فسق و فجور کے بڑے بڑے مراکز قائم ہیں۔ شراب اور جوئے کے اڈے بنے ہوئے ہیں علاوہ ازیں چوری، ڈکیتی، اغوا برائے تاوان اور زنا کاری کے لیے جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ دنیا جہان کی برائیاں وہاں موجود ہیں جن کا صحیح راز، تعداد اور مقدار تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی وجہ سے ملک بھر سے بڑے بڑے گینگ اور ان کے سرغنہ مزاروں پر حاضری دیتے ہیں اور پوجا پاٹ کے بعد اپنے مخصوص لوگوں سے خفیہ ملاقاتیں کرکے آئندہ کے لیے منصوبے بناتے ہیں۔

قبر کے سامنے نوافل پڑھنا

ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔'' (صحیح مسلم: 972) صحابہ کرام اور سلف صالحین آپ ﷺ کے اس فرمان پر سختی سے عمل کرتے اور کرواتے تھے۔ اس عمل کو مکروہ سمجھتے ہوئے لوگوں کو بڑی سختی سے باز رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ قبر ہے اس سے بچو۔'' (صحیح البخاري، قبل حدیث: 427)

پختہ قبر اور مزار و دربار کو گرانا

قرون ثلاثہ سے لے کر ائمہ و مجتہدین، فقہائے کرام، ان کے مشائخ اور محدثین کرام سب کے سب پکی قبروں اور ان پر قبہ و گنبد اور دربار وغیرہ بنانے کے شدید مخالف تھے۔ ان پکی قبروں اور ان پر بنائے جانے والے قبوں، گنبدوں اور درباروں کو گرانے اور مٹانے پر فقہائے اربعہ کا اجماع ہے۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے نزدیک اونچی قبروں اور ان پر بنائے گئے گنبدوں کو معصیت رسول سمجھتے ہوئے گرانا واجب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے پختہ قبر بنانے، قبر پر مجاور و معتکف بن کر بیٹھنے اور قبر پر گنبد، مزار و دربار بنانے سے منع کیا ہے۔ (صحیح مسلم: 970) اسی طرح ابو ہیاج اسدی سے روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ تو کسی بت/ تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑ اور کسی بلند قبر کو برابر کیے بغیر باقی نہ چھوڑ۔'' (صحیح مسلم: 969)

فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں پڑے



سارے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے۔ انھی بتوں میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی شکلوں کے بت بھی تھے۔ مشرکین کعبۃ اللہ کی طرح ان کی تعظیم و توقیر، طواف اور استلام کیا کرتے تھے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ذوالخلصہ نامی بت اور اس کا دربار گرانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انھوں نے 150 گھڑ سواروں کے ہمراہ فدائی کارروائی کرکے اسے گرادیا اور آگ لگادی۔ اسی طرح اہل طائف کا ایک وفد مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طائف کا مرکزی بُت گرانے کا حکم دے دیا۔ وہ کہنے لگے: یہ حکم تین سال یا ایک سال یا کم ازکم ایک ماہ تک مؤخر کردیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رد کردی۔ فوراً سیدنا ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو اس کے گرانے کے لیے طائف روانہ کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر علاقوں میں بھی باقاعدہ دستے بھیج کر مشرکین کے ان سارے اماکن کو منہدم کرکے مٹادیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

اس کے باوجود آج کل قبروں، قبوں اور گنبدوں کا فتنہ اس قدر عام ہوچکا ہے کہ الامان والحفیظ۔ ایمان کی جگہ قبر پرستی، پیر پرستی اور اوہام پرستی نے لے لی ہے۔ سبز و سفید بارونق اور چمکدار قبے اور گنبد و دربار ہیں جو کہ 24 گھنٹے معبود و مسجود بنے ہوئے ہیں اور کعبۃ اللہ کی طرح ان کے طواف اور استلام کیے جاتے ہیں۔ کچھ نام نہاد مسلمان ان کی تعمیر و ترقی اور حفاظت و احیاء کی سرپرستی کررہے ہیں۔ چند گدی نشیں، پیر و مولوی اپنے پیٹ کی خاطر عوام الناس کے دین و دنیا کو لوٹ رہے ہیں۔ اولیاء و صالحین کی قبروں سے ہی شرک کی ابتدا ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بت پرستی تک پہنچ گئے تھے۔ آج بھی وہی دور لوٹ آیا ہے۔ یہی دربار اور مزار شرک پھیلانے اور لوگوں کے عقائد کمزور کرنے والے مراکز ہیں اس لیے جب تک ان کا وجود باقی ہے اس وقت تک آستانہ پرستوں، قبروں کے مجاورین و معتکفین کے دلوں میں توحید کی مٹھاس اثر نہیں کرسکتی۔ جب تک ہمارے معاشرے سے شرک کا خاتمہ نہیں ہوگا اس وقت تک امن و امان اور خوشحالی کا وجود ناممکن ہے۔ سعودی عرب کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جس دور میں درباروں، مزاروں اور قبوں کو باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں گرایا گیا تھا اسی دور میں اللہ نے سعودیہ کو تیل اور سونے کے ذخائر کی دریافت کے ساتھ مالا مال کردیا۔ تو معلوم ہوا شرک کے جتنے اسباب ہیں ان کے خاتمے کے ساتھ ہی ہم بھی خوشحالی کا منہ دیکھ سکتے ہیں ورنہ ہم قیامت تک کفار سے سودی قرض لے لے کر انھی کے رحم و کرم پر سانس لینے کے بھی محتاج رہیں گے۔

مُردوں کی محتاجگی

جب انسان مرجاتا ہے تو وہ اپنے لیے مزید اعمال کرنے سے قاصر ہوتا ہے البتہ صدقہ جاریہ اور نیک اولاد کی طرف سے کیے جانے والے اچھے اعمال میں سے اسے بھی اجر ملتا رہتا ہے۔ مرنے کے بعد چونکہ وہ خود کچھ کرنے کی سکت نہیں رکھتا اسی لیے ہی زندہ لوگ اسے غسل بھی دیتے ہیں، کفن بھی دیتے ہیں، جنازہ بھی پڑھتے ہیں، کندھوں پر اٹھا کر قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کھود کر دفن بھی کرتے ہیں۔ تدفین کے بعد بھی اس کے لیے دعائیں اور استغفار کرتے ہیں: ''اے اللہ! تو ہی اس کا رب ہے تو نے ہی اسے پیدا کیا، اسلام کی طرف راہنمائی کی، تو نے ہی اس کی روح قبض کی اور تو ہی اس کے ظاہری و باطنی امور سے واقف ہے ہم تو صرف اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں، لہٰذا اے اللہ! تو اسے بخش دے۔'' (سنن أبي داود:3200)

مرنے کے بعد بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے اور نہ ہی حرکت کرسکتا ہے الٹا دوسرے زندہ لوگوں کی دعا و استغفار کا محتاج ہوتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جونہی دفن ہوتا ہے وہی مردہ کرتی دھرتی کا مالک بن جاتا ہے اور زندہ لوگوں کے مصائب اور پریشانیاں دور کرنا شروع کردیتا ہے۔ اگر وہ کچھ بھی کرسکتا ہوتا تو سب سے پہلے اپنے لیے کرتا، قبر سے باہر نکل آتا۔ اسے کیا مجبوری ہے منوں مٹی کے نیچے تاریک گڑھے میں رہنے کی۔

ہمارے جہلاء کی حالت یہ ہے کہ جو مردہ خود کفن اور غسل وغیرہ کے لیے دوسروں کا محتاج ہے اس کی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر ایسی عاجزی و انکسار کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ کے سامنے بھی ایسی عاجزی و انکسار کا اظہار نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس چیز کو بہترین و افضل ترین عمل سمجھتے ہیں۔



جمیل احمد اعوان

چرچ برائے فروخت

آسٹریلیا میں اسلام کی طرف بڑھتے رجحان کی ایک جھلک

18 اگست 2012ء سڈنی (آسٹریلیا) میں عیدالفطر کا دن تھا۔ میں نماز ظہر پڑھنے اپنے بیٹے کی رہائش کے قریب مسجد میں گیا۔ اسی اثنا میں میرے ساتھ صف میں ایک نومسلم انگریز بھی آ کر کھڑا ہوگیا۔ فرض کی چار رکعتوں کے بعد ہم سب نے امام کے ساتھ سلام پھیرا مگر اس نومسلم نے سلام پھیرنے کی بجائے سجدہ سہو کیا اور بعد میں سلام پھیرا۔

چونکہ میں اس کے ساتھ تھا، اس لیے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امام کے پیچھے اس نے اکیلے اپنا سجدہ سہو کیوں کیا، لگتا ہے اسے مسئلہ کا علم نہیں، پس اسے آگاہ کرنا ضروری ہے، اور پھر گفتگو کے تسلسل میں اس سے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بارے میں بھی پوچھ لوں گا۔ اللہ نے سنہری موقع دیا ہے، چنانچہ کچھ اذکار کے بعد اس سے مصافحہ کرتے ہوئے یوں مخاطب ہوا.....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

My Dear Brother In Islam

میرے اسلامی بھائی! آپ کا کیا حال ہے اور آپ کا اسمِ گرامی کیا ہے؟ میں نے انگلش میں گفتگو شروع کی۔

نومسلم: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! الحمدللہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں، اب میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور اسلام قبول کرنے سے پہلے مائکل (Micle) تھا۔

جمیل: میرے بھائی! آپ خوش نصیب ہیں کہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت دے، آپ کا مزید شرح صدر کرے۔ مبارک ہو، پھر میں نے اپنا تعارف کرایا، وہ بڑا خوش ہوا۔

عبدالرحمٰن: میں اللہ کا شکرگزار ہوں جس نے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق بخشی اور مجھے ہدایت کی راہ ملی۔

جمیل: میرے بھائی! اسلام قبول کرنے کی داستان سننے کا میں بڑا متمنی ہوں مگر اس سے قبل میں ایک شرعی مسئلہ سے آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیا وقت دیں گے؟

عبدالرحمٰن: ہاں! ہاں! کیوں نہیں، میرے بھائی! میں مسئلہ سے آگاہ ہوکر اپنی اصلاح چاہتا ہوں ضرور بتائیں اور میں خوش ہوا ہوں۔

جمیل: پہلے یہ بتائیں کہ آپ امام کے پیچھے جماعت میں تھے تو اکیلے ہی سجدہ سہو کیوں کیا؟

عبدالرحمٰن: میں کچھ پڑھنا بھول گیا تھا اس لیے آخری رکعت میں امام کے ساتھ سلام نہ پھیرا بلکہ سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا۔

جمیل: میرے بھائی امام کے پیچھے بھول چوک معاف ہے اس لیے مقتدی کو سجدہ سہو بھی معاف ہے۔ کیونکہ ہم امام کی اقتدا میں ہوتے ہیں اگر امام سے غلطی ہو تو وہ سجدہ سہو کرے گا اور سب مقتدی بھی اس کی اقتدا میں کریں گے۔

عبدالرحمٰن: مجھے تو یہ کسی نے آج تک بتایا ہی نہیں تاہم میں آپ کا شکرگزار ہوں آپ نے آگاہ کیا ورنہ میں تو ایسے ہی چلا جارہا تھا کئی مرتبہ پہلے بھی ایسا ہوا۔ میں نیا ہوں مجھے تو راہنمائی چاہیے۔ جزاك الله خيراً

جمیل: بھائی عبدالرحمٰن! اب مجھے تھوڑا سا وقت دیں اور بتائیں کہ آپ نے اسلام کیسے اور کیوں قبول کیا؟

عبدالرحمٰن: بھائی صاحب! میں آسٹریلیا میں پیدا ہوا جبکہ میرے والدین یورپ سے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے ایک ماہ بعد میری شادی اسلام پر عمل پیرا ایک اچھی لبنانی لڑکی سے



ہوئی۔ الحمدللہ۔ بنیادی طور پر میں نے عیسائیت میں ہی تربیت پائی مگر میں عیسائیت پر عمل پیرا نہیں تھا۔ میرے والدین تھے تو عیسائی، مگر سال میں فقط ایک مرتبہ آدھے گھنٹے کے لیے کرسمس ڈے کو چرچ جاتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب بڑا ہوا تو مجھے اپنا عیسائی ہونا عجیب سا محسوس ہوتا جیسے کوئی متنفر ہو، چنانچہ 15,14 سال کی عمر میں میں نے اپنی الجھنوں، وہموں اور کئی سوالوں کے جوابات ڈھونڈنا شروع کیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں ایک Sipiritual (روحانی) قسم کا شخص ہوں۔ 16,15 سال کی عمر میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ زندگی میں کوئی بہت بڑی چیز موجود ہے اور سبحان اللہ! میں نے کافی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، ہندومت، بدھ مت اور دیگر مذاہب کی کتابیں پڑھیں مگر ان کی Study سے میں اسلام سے قطعی آشنا نہ ہوا، نہ کبھی اسلام سے واسطہ پڑا نہ ہی کسی مسلمان سے ملا۔

جمیل: بھائی عبدالرحمٰن! تو پھر کیسے آپ اسلام کی طرف راغب ہوئے، راہنمائی کیسے اور کس سے ملی؟

عبدالرحمٰن: بڑا خاص سوال آپ نے کیا اور حسنِ اتفاق کہیے کہ کیسے راہنما ملا مجھے؟ تو سنیے!

اسلام سے میرا پہلا رابطہ

اسلام کے حوالے سے میرا پہلا رابطہ ایک مسلم دوست کے ذریعے ہوا جو فقط نام کا مسلمان تھا عملاً نہ تھا۔ نہ وہ عبادت کرتا نہ روزہ رکھتا، ہاں اسلام کے بارے میں وہ لوگوں سے باتیں کرتا رہتا تھا اور یہی وہ راہنما تھا کہ جس سے اسلام میں میری دلچسپی شروع ہوگئی۔ گویا اسلام سے یہ میرا پہلا رابطہ کہیے۔ تو سال بھر میں نے اسلام کو جاننے اور سیکھنے میں خوب دلچسپی لی۔ اسلامی کتابیں پڑھیں تو پھر..... Realy My HeartWas Attaracted To Islam

اب میں مسلمان ہونے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے متعلق میرے ذہن میں غلط فہمیاں بھی تھیں۔ یہ اس لیے کہ اسلام پر صحیح عمل پیرا کسی مسلمان کو نہیں جانتا تھا۔ نہ کوئی نمونہ سامنے تھا، پھر اتفاق سے ایک روز میں ایک دکان پر گیا تو وہاں ایک آسٹریلین بھائی تھا۔ مجھے علم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہے۔ اسی دوران وہاں ایک اور بھائی آئے اس نے آتے ہی السلام علیکم کہا تو انھوں نے بھی جواب میں السلام علیکم کہا (سلام کا جواب دیا) یہ سن کر میں نے بھی ان سے السلام علیکم کہا، پھر انھوں نے مجھے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ تو انھوں نے مجھے کہا: تم ملبورن اسلامک سنٹر ضرور آنا۔

معزز قارئین! یاد رہے کہ آسٹریلیا میں ترکی کی ذاتی تعمیر شدہ مسجدوں کے علاوہ کوئی گنبد و مینار والی مسجد نہیں ہے نہ ہی وہاں مسجدوں کے نام ہماری مسجدوں والے ہیں۔ بلکہ متعلقہ علاقہ کے نام پر اسلامک سنٹر کہتے ہیں۔ جیسے روٹی ہل اسلامک سنٹر، اور نہ ہی ہماری طرح فرقہ کا ذکر ہے۔ جیسے ہمارے ہاں مسجد کے نام کے ساتھ فرقہ بھی لکھا ہوتا ہے۔ وہاں کوئی امتیازی نام/فرقہ نہیں لکھتے۔

عبدالرحمٰن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: میں ملبورن میں 2 سال سے مقیم ہوں تو ان بھائیوں نے اسلامک سنٹر آکر درس قرآن سننے کی دعوت دی۔ مگر کچھ خوف زدہ تھا اور میں نہیں جانا چاہتا تھا، ایسے محسوس ہوتا کہ جیسے شیطان نے مجھے جکڑا ہوا ہے اور پیچھے سے گرفت کی ہوئی ہے۔

بھائی جمیل! ان دوستوں نے مجھے سوچ و بچار کا کوئی موقع نہ دیا اور کہا: ہم آپ کو رات 8 بجے لینے آئیں گے اور گھر سے ساتھ لے جائیں گے۔ دورانِ گفتگو ایڈریس وہ لے چکے تھے، چنانچہ حسب وعدہ وہ رات کو آئے اور مجھے اسلامک سنٹر (مسجد) لے گئے۔ زندگی میں میں پہلی بار اسلام پر عمل پیرا لوگوں سے ملا اور بغیر ہچکچاہٹ کے وہیں نمازِ مغرب پڑھی۔ عبادت کا یہ منظر میرے دل و دماغ پر بڑا اثر انداز ہوا۔ اور نماز کے بعد وہیں حلقۂ درس میں کلمۂ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ الحمدللہ

جمیل: اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنے مزاج اور عادات و خصائل پر قدرے روشنی ڈالیں۔

عبدالرحمٰن: بھائی صاحب! میں اسلام میں داخل ہونے سے پہلے بھی کسی بھی دوسرے شخص کے لیے برا نہ تھا لیکن اپنی ذات کے لیے میں ضرور برا تھا کیونکہ میں گمراہ تھا۔ میں نے سکول بھی چھوڑ دیا۔ باہر آوارہ لڑکوں کے ساتھ ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیا۔ نشہ آور چیزیں استعمال کرنے لگ گیا اور دیگر برائیوں میں بھی مبتلا رہا۔ پس اس طرح میں نے گویا کسی کا نقصان تو نہیں کیا مگر اپنا ذاتی نقصان ضرور کرتا رہا۔ میرے گھر والے مجھ سے سخت دکھی اور نالاں تھے۔ بری سوسائٹی کا اثر مجھ پر حاوی تھا۔

جمیل: میرے بھائی ذرا گہرائی میں جا کر سوچیں کہ آپ فقط اپنا ہی نقصان نہیں کر رہے تھے



بلکہ آپ اور آپ کی سوسائٹی کے دیگر ساتھی گھر سے پیسے ہتھیا کر برے افعال پر اڑا رہے تھے کیا گھر والوں کا نقصان نہ تھا؟ کیا یہ معاشرتی نقصان نہ تھا؟ کیا آہستہ آہستہ دیگر ساتھی آپ کے ساتھ شامل ہوکر معاشرہ میں برائی پھیلانے کے ذمہ دار نہ تھے؟ اور یہ کام روز افزوں جاری رہتا اگر آپ اسلام قبول نہ کرتے۔ اب یہیں یہ سوچیں کہ دین اسلام کیسا بھلائی اور نصیحت والا دین ہے جس نے آپ کو ہدایت کا صحیح راستہ دیا، گھر کے مالی نقصان سے بچاؤ ہوا، معاشرتی سدھار آیا، اور آپ کے دیگر ساتھی ضرور ایک دن بدعات ترک کرکے توبہ تائب ہوں گے کیونکہ نیکی بڑھتی ہے مگر برائی اور ظلم کبھی نہ کبھی ختم ہوجاتے ہیں۔

میرے بھائی عبدالرحمٰن! ایک قولِ زریں ذہن میں رکھیں: کوئی چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، بروں کی محفل اسے برا بنادیتی ہے اور کوئی چاہے کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اچھے اور نیکوں کی محفل اسے نیک بنادیتی ہے۔ (صحبت صالح تو را صالح کند، صحبت طالح تورا طالح کند) اور دیکھو یہی صحبت آپ کے ساتھ کارفرما ہوئی، دکان میں جانا، اچھے ساتھیوں سے ملنا، اسلامک سنٹر جانا، نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھنا، صحبت درسِ قرآن اپنانا وغیرہ وغیرہ یہ سب صحبت صالح کا نتیجہ نکلا۔

عبدالرحمٰن: بالکل صحیح کہا آپ نے۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ واقعی ہم آوارہ اور برے ساتھی معاشرہ میں برائی کا ناسور پھیلا رہے تھے۔ میں نے ساتھیوں کو تنبیہ کی کہ دیکھو میں تمھارے لیے مثال ہوں کہ اسلام میں داخل ہوکر میں نہایت سکون واطمینان میں ہوں۔ تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ آؤ دیکھو یہ دین اسلام، انسان کو صحیح انسان بناتا ہے۔ راہِ ہدایت بخشتا ہے۔

جمیل: میرے بھائی! اسلام قبول کرنے کے بعد گھر والوں کا ردِعمل بتائیں۔

عبدالرحمٰن: تو سنیے!

گھر والوں کا ردِعمل

جب میرے گھر والوں نے مجھے مسلمان ہوتے دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے بلکہ متاثر ہوئے کیونکہ میری زندگی میں ایک بہترین تبدیلی آئی، اس عزت پر وہ خوش تھے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں پر ابھی تک پریشان تھے، جو ٹیلی ویژن پر وہ بصورت جھوٹا پراپیگنڈہ دیکھتے تھے ان کا دماغ اس سے بھرا ہوا تھا۔ اسلام کے بارے میں کوئی بات کرتا تو ان کا یہ جواب ہوتا: بیٹا! تم یہ دیکھو کہ مسلمان یہاں اس چیز کو کیسے کرتے ہیں اور دوسری جگہ پر وہاں کیا کرتے ہیں؟ کتنا تضاد ہے، چنانچہ میں انھیں اس وقت یقین دلاتا کہ ایسا کچھ نہیں محض پراپیگنڈہ ہے۔

بھائی جمیل! میں کوئی زور دیے بغیر بڑے شگفتہ اور احسن طریقے سے انھیں دعوت اسلام دیتا رہا۔ میں جب بھی ان سے اسلام کے بارے میں بات کرتا تو وہ الجھن اور بے سکونی محسوس کرتے اور مجھے یوں کہتے:

It is good that you are a Muslim, But do not try to convert us.We do not want to know about it. It is for you and it is your path.

عبدالرحمٰن: بھائی جمیل! الحمدللہ کہ والدین تاحال مجھے بحیثیت مسلمان قبول کیے ہوئے ہیں۔ میں ان کی پہلے بھی عزت کرتا تھا اور اب پہلے سے بھی زیادہ کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسری اہم چیز والدین سے حسن سلوک ہے۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا رشتہ پہلے سے گویا Improve ہوا ہے۔ دعا کریں کہ میرے والدین بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائیں۔

جمیل: بھائی عبدالرحمٰن! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں دعا گو ہوں کہ آپ کو دین میں استقامت نصیب ہو، آپ کے والدین بھی اسلام قبول کرلیں۔ پس انھیں بھی اور دیگر لوگوں کو دعوتِ دین دیتے رہیے۔

آسٹریلیا میں اسلام کی مقبولیت کا گراف اور چرچ فروخت ہونے کی وجوہات

معزز قارئین! نومسلم عبدالرحمٰن سے انٹرویو میں شروع مضمون میں آپ نے پڑھا کہ اس کے والدین سال بعد کرسمس ڈے کو آدھے گھنٹے کے لیے چرچ جاتے۔ بتوفیقِ ربی میرا بیٹا ہر سال مجھے آسٹریلیا کا Visit کراتا ہے تو میں وہاں مشاہدہ کرتا ہوں کہ عیسائیوں کی کثیر تعداد چرچوں کی طرف راغب نہیں، نہ ہی عبادت سے انھیں کوئی دلچسپی ہے۔ تاہم مجھے ہر Visit سے زبانی وقلمی دعوتِ دین کا موقع، کئی انکشافات ومعلومات ملتی ہیں۔ الحمدللہ۔

اب ایک شخص بھولے سے وہ بھی کبھی کبھار



چرچ جا کر رسمی سی عبادت کرتا ہے اور عبادت بھی ایسی جو شرک سے لتھڑی ہو، ساز و آواز سے مزین ہو، مردوں عورتوں میں اختلاط ہو، اور ایک شخص روزانہ پانچ وقت مسجد جا کر خالصتاً معبودِ حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہو، دعا مانگے تو ظاہر ہے اطمینان وسکون قلبی اسی کو نصیب ہوگا۔

اسی اثر کو مغربی آسٹریلیا کے آخری شہر Perth کی نومسلم ''ماریہ'' خود واضح کر رہی ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر التجا کرنے اور عبادتِ خالص سے مجھے طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے نہ کہ عیسائیت کی طرح ہفتہ میں ایک بار یا سال بعد عبادت کرنے سے۔

چنانچہ اسلام میں نو وارد ہونے والوں کا کہنا ہے کہ انھیں روحانیت کے بارے میں سبھی سوالات کے جوابات اسلام نے مہیا کیے۔ جو عیسائیت میں نہ مل سکے، بعینہ سوئٹزرلینڈ کا نومسلم ڈینیل بھی یہی کہتا ہے کہ اسلام میں زندگی کے تمام سوالات کا جواب مل گیا۔ ایک نومسلم ''کریمر'' کہتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت میں ایک واضح تضاد ہے۔ اسلام میں انسانی حاکمیت کا کوئی تصور نہیں، جیسا کہ عیسائیت میں پادری، بشپ، یا پوپ کی حاکمیت ہے۔ اسلام میں فرد کا تعلق صرف اللہ سے ہوتا ہے۔ یہ مکمل ضابطہ حیات ہے نہ کہ محض ہفتہ میں ایک دن دعا و عبادت کے لیے چرچ میں اکٹھا ہونے کا نام۔

''علیزا عائشہ'' نومسلمہ کہتی ہے کہ میں کیتھولک عیسائی تھی، میں 2004ء میں مسلمان ہوئی۔ میں عیسائی مذہب سے مطمئن نہ تھی۔ اس لیے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور آخر کار اسلام کو چنا، اس میں ہر شئے کی وضاحت تھی۔ میں بذاتِ خود کئی نومسلموں سے ملی ہوں ان کی اسلام میں داخل ہونے کی وجوہات وہی ہیں جو میری تھیں۔ ہم زندگی کا اعلیٰ مقصد ڈھونڈ رہے تھے، چنانچہ ان مادی اشیاء، کار، کوٹھی اور اعلیٰ رتبہ ہوتے ہوئے انسان اندر سے خالی رہتا ہے، پس اس خلا کو بھرنے کی ایک جستجو جاری ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس جستجو میں مقامی طور پر ہفتہ میں کئی عیسائی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، پھر کئی نومسلم کہتے ہیں کہ انجیل کو الہامی کتاب کہا جاتا ہے مگر اس میں کئی دفعہ ردّوبدل ہوا۔ اس میں الہام نام کی کوئی شئے نہیں۔ جبکہ قرآن آج بھی اصلی حالت میں موجود ہے۔ (آسٹریلیا سے پال لیمیا تھیکس کی تحریر، بشکریہ دی نیوز)

معزز قارئین!

مندرجہ بالا تحریر میں آسٹریلیا میں نومسلموں کی تیزی سے اسلام قبول کرنے کی وجوہات آپ نے خود انھی کی زبانی پڑھی ہیں اور سڈنی میں میرے بیٹے کی رہائش کے قریب Rooty Hill Islamic Centre (مسجد) میں میری موجودگی میں کئی گورے مسلمان ہوتے ہیں جبکہ باقی آسٹریلیا میں نہ جانے کتنے عیسائی مسلمان ہو رہے ہیں۔ جبکہ مذکورہ نومسلم عبدالرحمٰن ملبورن (سڈنی سے 9,8 سو کلومیٹر) میں مسلمان ہوا ہے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

پس انھی اسباب ① عیسائیوں کی بے رغبتی ② کثیر تعداد میں عیسائیوں کا قبول اسلام اور ③ چرچوں کا سارا سال خالی رہنا..... کی بنا پر آسٹریلیا میں چرچ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں، چنانچہ 2009ء کے Visit میں سڈنی میں Auburn میں چرچ فروخت ہوا جسے مسلمانوں نے خرید کر مسجد میں تبدیل کر لیا۔ اسی طرح 2011ء کے Visit میں Quaker Hill میں چرچ فروخت ہوا جسے بنگالیوں نے فنڈ جمع کر کے خرید لیا اور مسجد بنالی۔ یہ بیٹے کے Project کے قریب تھا، وہاں نماز مغرب پڑھی۔ بیٹے کا نائب انجینئر Addrian (ایڈریان) فلپینی عیسائی بھی ہمارے ساتھ تھا، اسے مسجد میں آ کر ہماری عبادت کا روحانی منظر دیکھنے کی دعوت دی۔ وہ صفوف کے اخیر میں بیٹھ کر دیکھتا رہا اور نماز کے بعد ہم جب فارغ ہوئے تو اس نے اس روح پرور عبادت کی تعریف کی، پھر گھر چھوڑنے تک کے سفر میں ہم اسے دعوتِ دین دیتے رہے۔ نماز کے بعد وہاں کے بنگالی مؤذن کو مبارک دی اور کہا کہ یہ بڑی سعادت ہے اور خوش بختی ہے کہ یہاں مسجد بنی۔

اللہ آپ سب کے اس عمل اور محنت کو قبول کرے۔ مساجد میں مشتہر شدہ کسی بھی بکنے والے چرچ یا ہال کو وہاں کے مسلمان بلا امتیاز، زبان، علاقہ اور ملک اپنا اپنا حصہ ڈال کر فوراً خرید لیتے ہیں۔ بعض جگہوں کا تخمینہ مربع فٹ کے حساب سے لگا کر فی آدمی تقسیم کر لیتے ہیں اور یہاں مسجدیں بنا لیتے ہیں۔ پھر یہی مساجد وہاں کے قریبی رہائشی گوروں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔ بعون اللہ وحسن التوفیق۔

پھر نصیب ہم کو ہو، یارب عروج سابق
چھا جائے کل جہاں پہ قرآن یہ ہمارا



غصہ نہ کریں



قاری محمد حسن سلفی

ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آنا اور غلط فیصلے کرنا کوئی اچھی عادت نہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی طبیعت کا یہ اکھڑ پن آپ کی شخصیت میں، کردار میں، گفتار میں پستی لا رہا ہے اور لوگ آپ سے نفرت کرتے ہیں۔ عزیز و اقارب اور اہل خانہ آپ کے غصیلے لہجے کی وجہ سے آپ کی محبت کے اسیر نہیں بلکہ وہ دل میں آپ کو کیا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ معلم انسانیت ﷺ نے ہماری کیا رہنمائی فرمائی ہے:

پہلوان کون؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ» ''کسی کو پچھاڑ دینا بہادری نہیں، بہادر تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔'' (صحيح البخاري:6114، و صحيح مسلم: 2609)

صبر کا گھونٹ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: «مَا مِنْ جُرْعَةٍ أَعْظَمُ أَجْرًا عِنْدَاللّٰهِ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ، كَظَمَهَا عَبْدٌ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ» ''اس گھونٹ کے پینے سے بڑھ کر ثواب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گھونٹ نہیں جسے اللہ کی رضا کے لیے غصہ ختم کر کے پی لیا ہو۔'' (سنن ابن ماجه: 4189، والأدب المفرد للبخاري:446)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی (سفیان بن عبداللہ الثقفی) نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَغْضَبْ» ''غصہ نہ کیا کر۔'' اس نے یہی سوال کئی مرتبہ دہرایا «اَوْصِنِي» مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا: «لَا تَغْضَبْ» ''غصہ نہ کیا کر۔'' (صحيح البخاري:6116)

علامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دی گئی ہیں کیونکہ غصہ کی حالت میں انسان نرمی اور رحم دلی سے محروم ہو جاتا ہے جو قطع رحمی اور دوسرے مسلمان کو ایذا دینے کا سبب بنتا ہے۔ اور یہ ایسے امور ہیں جو انسان کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان اسباب سے بھی بچا جائے جو غصے کا باعث بنتے ہیں اور ان میں سرِ فہرست تکبر ہے، یعنی تکبر دل سے نکالو تاکہ تمھارے دلوں میں دوسروں کا احترام پیدا ہو۔

عذاب سے بچاؤ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ» ''جس کسی نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔'' (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 475/5، حديث: 2360) یعنی اگر کوئی غصے میں اپنے ماتحتوں اور عزیزوں کو کوئی سزا نہ دے اور جذبات پر قابو پالے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے اور یہ عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

پسندیدہ حور عین

سیدنا سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ

حَتّٰی یُخَیِّرَہُ مِنْ اَیِّ الْحُوْرِ الْعِیْنِ شَآءَ» ''جو شخص غصہ پی جائے جبکہ وہ اس پر عمل کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ جل شانہٗ اسے قیامت والے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جنت کی حورعین میں سے جو پسند ہے لے لو۔'' (سنن أبي داود: 4777) اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: «مَلَأَہُ اللّٰہُ اَمْنًا وَاِیْمَانًا» ''اللہ اسے امن اور ایمان سے بھردے گا۔'' (سنن أبي داود: 4778)

اتنی فضیلت ہے غصہ پر قابو پانے کی اگر ہم ان فرموداتِ مصطفوی پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے گھر بہار کے گلشن بن جائیں۔ آپ کی وہ اولاد جو آپ کے غصے کی وجہ سے نافرمان بن کر بے ادبی اور گستاخی پر اتر آتی ہے آپ کے عفوودرگزر سے وہ آپ کی تابع فرمان بن سکتی ہے۔ اس معاملے میں ہمارے سامنے اسوۂ رسول ﷺ یہ ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: «وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِنَفْسِہٖ» ''رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا۔'' (سنن أبي داود: 4785)

غصہ کی وجہ سے مشکلات

قرآن مجید میں حضرت یونس بن متی کا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام قوم کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے غصے میں آگئے اور ناراض ہوکر وہاں سے چل پڑے اور حکم ربانی کا انتظار نہ کیا۔ ادھر قوم نے اللہ کے نبی کی ناراضی دیکھی تو سارے میدان میں جمع ہوکر استغفار کرنے لگے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اس غصے اور ناراضی کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ نے لقمۂ ماہی بنادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور وہ یونس مچھلی والے جب چل پڑے غصے سے اور خیال کیا کہ ہم اسے پکڑ نہ سکیں گے تو بالآخر وہ اندھیروں میں پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک میں ہی ظالموں میں ہوگیا۔'' (الأنبیآء 21:87)

اس واقعہ سے اندازہ کریں کہ اگر نبی غصے میں آکر جذباتی فیصلہ کرے تو مچھلی کا پیٹ اور دریا کی لہروں کا اندھیرا اس کا مقدر ہو اور ہم غصے سے نہ جانے کتنے غلط فیصلے کرجاتے ہیں۔

غصہ کا علاج

① سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ ان میں سے ایک اس قدر غصے میں آگیا کہ میں نے سمجھا کہ انتہائی غصے کی وجہ سے اس کی ناک ہی چڑجائے گی۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک مجھے ایک کلمہ معلوم ہے اگر یہ پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے گا۔'' معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! وہ کلمہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یہ ہے: «اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ» ''اے اللہ! میں شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (سنن أبي داود: 4780)

معلوم ہوا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا علاج تعوذ ہے کہ جب حق الیقین سے پڑھا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ غصہ جب آتا ہے تو انسان سچی بات بھی قبول نہیں کرتا بلکہ اپنی ضد پر اڑ جاتا ہے۔

② سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اس طرح سے اگر اس کا غصہ ختم ہوجائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔'' (سنن أبي داود: 4782)

③ ابو وائل القاص بیان کرتے ہیں کہ ہم عروہ بن محمد سعدی کے پاس گئے۔ ایک آدمی نے ان سے کوئی بات کی تو انھیں غصہ آگیا۔ وہ اٹھے اور وضو کیا، پھر وضو کرکے واپس آئے اور بیان کیا کہ مجھے میرے والد گرامی نے میرے دادا عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک غصہ شیطان لعین کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، سو جب بھی تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرلے۔'' (سنن أبي داود: 4784)

مذکورہ بالا احادیث رسول سے ہمیں غصہ ٹھنڈا کرنے کے چار بہترین طریقے میسر آئے ہیں: ① بوقت غصہ تعوذ پڑھا جائے۔ ② اگر کوئی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ ③ بیٹھا ہو تو لیٹ جائے ④ اور اگر پھر بھی غصہ دُور نہ ہو تو وضو کرلے۔

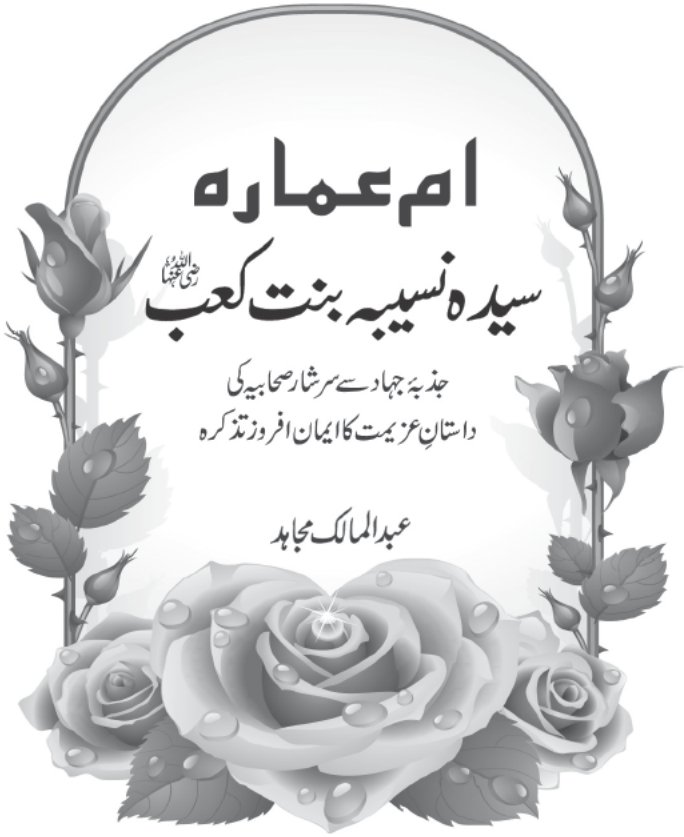
غصہ ایک شیطانی فعل ہے۔ اس سے معاشرے میں لڑائیاں، قتل، فسادات اور دل کی رنجشیں بڑھتی ہیں۔ اپنے آپ میں صبر وتحمل اور بردباری کا جذبہ پیدا کیجیے۔

ام عمارہ

سیدہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا

جذبۂ جہاد سے سرشار صحابیہ کی
داستانِ عزیمت کا ایمان افروز تذکرہ

عبدالمالک مجاہد



مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی کا نام عقبہ ہے۔ یہ منیٰ کی طرف واقع ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کی انصار سے ملاقات ہوئی اور یہیں آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے بیعت لی۔ وہ اس بات کا عہد کر رہے تھے کہ ہر حال میں آپ کی مدد کریں گے۔ آپ کے دشمنوں کے خلاف لڑیں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ رکھا تھا۔ بیعت کرنے والے اس عالی شان وفد میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام سیدہ ام عمارہ تھا جو اپنے خاوند غزیہ بن عمرو اور اپنے دو بیٹوں حبیب اور عبداللہ کے ساتھ اس مبارک مجلس میں موجود تھیں۔ جب مردوں نے بیعت کرلی تو ان کے خاوند غزیہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: ہمارے ساتھ یہ دو عورتیں بھی ہیں۔ یہ بھی آپ سے بیعت کرنا چاہتی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے جس بات پر تم لوگوں کی بیعت قبول کی ہے، اُسی بات پر ان سے بھی بیعت کرتا ہوں مگر میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، (لہٰذا ان سے ہاتھ ملانے کی ضرورت نہیں ہے۔) آپ ﷺ نے کبھی کسی غیر محرم عورت سے ہاتھ نہیں ملایا۔ یہ عظیم خاتون، جو اپنے خاوند اور بیٹوں کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی نصرت، ان کی وفاداری اور اطاعت پر بیعت کر رہی تھیں، بھلا کون تھیں؟ آیئے تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں اور اس عظیم خاتون کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتے ہیں۔

ان کا نام نُسیبہ بنت کعب تھا۔ یہ قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ بنی نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب ہجرت کی تو اس وقت ان کی عمر چالیس برس تھی۔ یہ اپنے نام کے بجائے اپنی کنیت ام عمارہ سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ نہ صرف قدیم الاسلام تھیں بلکہ ان کا تعلق اُس خوش قسمت گھرانے سے تھا جو اسلام کی آواز سنتے ہی مسلمان ہوگیا تھا۔ اور پھر ان سب نے مدینہ سے آکر عقبہ کی گھاٹی میں اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی۔

اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ غزوۂ احد کا واقعہ مدینہ شہر کے قریب پیش آیا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ لڑائی میں شرکت کے لیے نکلے تو نہ صرف اس عظیم خاتون کے دو بیٹے، خاوند بلکہ یہ خود بھی میدانِ کار زار میں نکل آئیں۔ عورتیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ان کے پاس بھی پانی کا مشکیزہ تھا۔ یہ شروع دن سے آخر تک میدان جنگ میں ڈٹی رہیں۔ اور مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔

ام سعد بن سعد بن ربیع ایک مرتبہ ان کے پاس گئیں اور عرض کیا: خالہ جان! ذرا غزوۂ احد کے بارے میں کچھ بتائیں کہ آپ نے اس جنگ میں کس طرح حصہ لیا؟ ام عمارہ نے فرمایا: غزوۂ احد کے روز میں صبح سویرے نکل پڑی۔ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئی۔ میں لڑائی دیکھنا چاہتی تھی۔ میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا۔ میں چلتے چلتے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچ گئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مسلمان غالب تھے اور فتح سے سرشار ہو رہے تھے، پھر جس موقع پر مسلمانوں میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے کھلبلی



مچی، میں اُسی لمحے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا پہنچی اور جہاد میں شریک ہوکر تلوار اور کمان سے آپ ﷺ کا دفاع کرنے لگی۔ یہاں تک کہ میں زخمی ہوگئی۔ ام سعد کا بیان ہے کہ میں نے ان کے کندھے پر گہرا زخم دیکھا تو پوچھا: یہ زخم کس نے لگایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ابن قَمِئہ نے۔ اللہ اس کو ذلیل اور رسوا کرے۔ جب لوگ بھاگ گئے تو ابن قَمِئہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ محمد (ﷺ) کی نشان دہی کرو، اگر وہ زندہ بچ گئے ہیں تو پھر میں زندہ نہیں رہوں گا، چنانچہ میں نے اور مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ نے، جو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ کا دفاع کیا اور آپ ﷺ کے آگے ڈٹے رہے۔ ابن قَمِئہ نے مجھے یہ ضرب لگائی، میں نے بھی اسے مارا لیکن اللہ کے دشمن ابن قَمِئہ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: میں جنگ کے دوران ام عمارہ کو اپنے دائیں اور بائیں مسلسل مصروفِ جنگ دیکھتا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ابن قَمِئہ نے اپنی تلوار سے اُن کے کندھے پر وار کیا جس سے گہرا زخم آیا اور خون کے فوارے ابل پڑے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی اور پھر چند بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا: آج ام عمارہ نے جو دلیرانہ کارنامہ انجام دیا ہے اور جس ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ ان بہادر لوگوں سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ گویا یہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ان کی شجاعت کا اعتراف اور ان کے لیے تمغۂ بسالت تھا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی زخمی ہونے کے باوجود اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے لیے دنیا نہیں بلکہ آخرت طلب کی۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! دعا فرمایئے کہ مجھے جنت میں آپ کی معیت کا شرف نصیب ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی تو بولیں: اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔

ان کا بیٹا عبداللہ بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ یہ زخمی ہوا تو انھوں نے اپنے لختِ جگر کے زخم پر پٹی باندھی اور کہا: بیٹا! اب تمھارے زخم پر مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔ یہ موقع بیٹھ کر زخم دیکھنے اور اپنے اندر احساس کمتری پیدا کرنے کا نہیں۔ دیکھو! خود اللہ کے رسول ﷺ میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ تمھیں زخموں کو دیکھ کر اپنے اوپر ضعف کے آثار پیدا کرنا زیب نہیں دیتا۔ جاؤ پوری قوت سے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ یا اپنے آپ کو ختم کرلو یا دشمنانِ اسلام کو نیست و نابود کردو۔

غزوۂ احد سے واپسی کے اگلے دن اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ حمراء الاسد کی طرف تشریف لے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن اگر واپسی کی چال سوچے تو راستے میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ چلیں گے جو میدان احد میں موجود تھے۔ چونکہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی میدانِ احد میں موجود تھیں، اس لیے یہ بھی روانہ ہونے لگیں۔ مگر ان کا زخم اتنا گہرا تھا کہ اس سے مسلسل خون ٹپک رہا تھا، اس لیے زخموں کے علاج اور درد کی شدت کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کے ساتھ نہ جاسکیں۔

یہاں پر اللہ کے رسول ﷺ کی اپنے صحابہ کے ساتھ بے مثال محبت ملاحظہ کریں کہ آپ ﷺ کس طرح ہر صحابی کا خیال رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ حمراء الاسد سے واپس مدینہ تشریف لائے تو اپنے گھر تشریف لے جانے سے پہلے عبداللہ بن کعب المازنی کو بھیجا کہ جاؤ معلوم کرو ام عمارہ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے آکر بتایا: اب ان کی حالت خاصی بہتر ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس خبر پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر اور مجاہدہ خاتون تھیں۔ یہ حدیبیہ کے میدان میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ موجود تھیں۔ اور ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے آپ ﷺ سے اس روز بھی بیعت کی تھی۔ اسی طرح یہ خیبر کی لڑائی میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ ان کے ہمراہ بعض دیگر خواتین بھی تھیں۔ یہ زخمیوں کو پانی پلاتیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق بنی عقار کی کچھ عورتیں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ سے عرض کیا: ہم بھی آپ کی معیت میں خیبر جانا چاہتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اجازت دے دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے خیبر میں فتح نصیب فرمائی اور مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس میں سے عورتوں کو بھی حصہ دیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے کچھ برتن، بعض کپڑے اور دو دینار



غنیمت میں ملے۔ سیرت نگاروں کے مطابق حنین کی جنگ میں چار عورتیں شریک تھیں۔ ان میں ام عمارہ، ام سلیم، ام سلیط اور ام حارث رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ خنجر دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: خالہ! اس کا کیا کروگی؟ انھوں نے جواب دیا: اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ اللہ کے رسول ﷺ یہ جواب سن کر مسکرا دیے۔ باقی خواتین کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔(مسند أحمد، حدیث: 13042)

جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو یمامہ کے علاقے میں مسیلمہ کذاب نے بڑا فتنہ برپا کردیا۔ یہ شخص مرتد ہوگیا اور ساتھ ہی اس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کردیا۔ یہ بڑا ظالم تھا۔ اس کی قوم کے کم وبیش چالیس ہزار افراد اس کے ساتھ تھے۔ ایک مرتبہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے (حبیب بن زید بن عاصم) عمان سے مدینہ طیبہ کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں مسیلمہ کے ہاتھ لگ گئے۔ ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ جب مسیلمہ کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے حبیب بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ انھوں نے فوراً جواب دیا: ہاں! اب اس نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے اس عظیم اور مجاہد بیٹے کی جرأت اور جواں مردی پر غور فرمائیں! انھوں نے کہا: میرے کانوں میں تکلیف ہے، میں نے تمھاری بات نہیں سنی۔

مسیلمہ کذاب نے پھر پوچھا: «أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ؟» جواب دیا: ہاں! اب اس نے اپنے بارے میں پوچھا: کیا میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ انھوں نے پھر کہا: میں نے تمھیں بتایا ہے کہ میں بہرا ہوں، میں نے تمھاری بات نہیں سنی۔

مسیلمہ نے اپنی بات کو متعدد بار دہرایا لیکن حبیب اپنی بات پر ثابت قدم رہے۔ مسیلمہ نے ان کے ایک ایک عضو کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح ان کو بڑی بے دردی سے شہید کردیا گیا۔

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مظلوم اور بہادر بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملی تو تڑپ اٹھیں۔ مجاہدہ تو شروع ہی سے تھیں۔ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار ہزار مجاہدین کی فوج دے کر مسیلمہ کذاب سے جنگ کے لیے روانہ فرمایا تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا خلیفۂ اول کے پاس پہنچیں اور ان سے اس جنگ میں شرکت کی اجازت طلب کی تاکہ اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لے سکیں۔

چنانچہ ان سے اجازت لے کر یہ بھی لشکر میں شامل ہوگئیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاوند اور ایک بیٹا بھی ان کے ساتھ اس جنگ میں شامل تھا۔ یمامہ کی جنگ بڑی اہم جنگ تھی۔ دشمن خوب تیار تھا۔ ان کے پاس اسلحہ کی بھی کمی نہ تھی۔ سخت مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے۔ اور ہزاروں کافر قتل ہوئے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا اصل ہدف مسیلمہ کذاب تھا کیونکہ وہ ان کے بیٹے کا قاتل تھا۔

یہ تلوار ہاتھ میں لیے اُسی کی طرف آگے بڑھتی رہیں۔ ان کا بیٹا عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ ساتھ تھا۔ مسیلمہ کو دور سے دیکھا تو صبر نہ کرسکیں۔ برچھی اور تلوار سے دشمن کی صفوں کو چیرتی اور زخم پر زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ کے قریب پہنچ گئیں۔ اس پیش قدمی کے نتیجے میں ان کو نیزے اور تلوار کے گیارہ زخم آئے۔ ایک کافر کی تلوار سے ان کا ایک ہاتھ کلائی سے کٹ کر گر پڑا۔ مگر اس شیر دل خاتون کے صبر وتحمل میں ذرّہ برابر بھی کمی نہ آئی۔ یہ مسیلمہ پر وار کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اس دوران دو تلواریں بیک وقت فضا میں لہرائیں اور اس زور سے مسیلمہ پر پڑیں کہ وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ شدید گرد وغبار میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کا بیٹا عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں تلوار لیے مسیلمہ کی لاش پر کھڑا اس کے لباس سے اپنی تلوار صاف کر رہا ہے۔ ماں نے مسرت و حیرت کے ملے جلے جذبات سے پوچھا:

عبد اللہ! کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟ جواب ملا: اماں جان! ایک ساتھ دو تلواریں چمکیں اور اس پر پڑی ہیں۔ ایک میری اور ایک کسی اور کی، اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس کی تلوار سے اس کی موت واقع ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق اس کو قتل کرنے والا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی تھا۔ جس نے اپنے گناہ کا بدلہ اس طرح چکایا۔

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بیٹے کے قاتل اور اسلام کے اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے قتل سے کتنی خوشی ہوئی ہوگی؟ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس پر انھوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ان کو اس جنگ میں بڑے زخم آئے، ان کا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب پیرانہ سالی بھی تھی۔ امیر لشکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے، انھوں نے ان کے علاج پر خوب توجہ دی۔ اور یہ عظیم خاتون اپنے بیٹے کی معیت میں مدینہ طیبہ واپس آ گئیں۔

خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی اس حد تک قدر کرتے تھے کہ خود ان کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کی مزاج پرسی کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں ان کی بے حد عزت وتکریم کی۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مالِ غنیمت میں کچھ بیش قیمت ملبوسات آئے۔ اس میں ایک بڑا قیمتی دوپٹہ بھی تھا۔ لوگوں نے کہا: اسے اپنے بیٹے کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کو ہدیہ کر دیں۔ بعض نے کہا: اپنی اہلیہ کو دے دیں۔ فرمایا: میں یہ تحفہ اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ پھر انھوں نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا اور کہا کہ وہی اس کی حقدار ہیں۔ احد کے روز میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ میں جدھر نظر اٹھا کر دیکھتا تھا مجھے میدان جنگ میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا ہی نظر آتی تھیں۔ میں نے دیکھا وہ میرے دفاع کے لیے جنگ کر رہی تھیں۔ سیرت نگاروں کے مطابق ان کی تین شادیاں ہوئیں۔ جن سے اولاد بھی ہوئی۔ یہ بیٹے بڑے بہادر اور مجاہد اسلام تھے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے بعض احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس مجاہدہ، صابرہ اور بہادر خاتون پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے۔ (آمین)



ماہِ جنوری کے درست جوابات

① نبی کریم ﷺ کے پانچ معجزات: واقعہ معراج، نماز میں آگے پیچھے یکساں دیکھنا، شجر وحجر کا سلام کہنا، انگلیوں سے پانی بہنا، جانوروں کی زبان سمجھنا۔

② نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

③ پہلی وحی کے وقت آپ ﷺ کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔

④ بیت اللہ سے بیت المقدس تک کا سفر ''اسراء'' اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتھیٰ تک کا سفر ''معراج'' کہلاتا ہے۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

عبداللہ (ساہیوال) عطیہ المعید (بھکر) شکیل احمد (نوشہرو فیروز) حافظ محمد وقاص، حافظ احسان الٰہی (لاہور) سلمان احمد (قصور) خالد محمود ساجد، قاریہ رفعت سلطانہ (راجن پور)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان پر گھبراہٹ طاری کرے۔

② بزرگوں کی قبروں، مزاروں، خانقاہوں اور درگاہوں پر فسق وفجور کے بڑے بڑے مراکز قائم ہیں۔

③ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ بیری کا شہد پسند کیا جاتا ہے۔

④ بھلا علم میں نبی کریم ﷺ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① قرآن مجید میں کس شخص کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا؟

② جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کن آیات کی تلاوت کی تھی؟

③ ساہیوال میں ایک قدیم شہر واقع ہے، اس کا نام بتائیں؟

④ اس سال بارہ ربیع الاول کے دن کن کن بدعات کا ارتکاب کیا گیا؟



آزادی کشمیر کی منزل قریب ہے

عظیم کشمیری راہ نما سید علی گیلانی کا یکجہتی کشمیر کے موقع پر خصوصی انٹرویو

محمد ارسلان حجازی



ضیائے حدیث ماہنامہ ضیائے حدیث

حدیث کے لیے وقت دینے پر آپ کا شکریہ۔ یہ فرمائیں کہ مسئلہ کشمیر کا پس منظر و پیش منظر کیا ہے؟

گیلانی صاحب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میری طرف سے تمام اہل پاکستان اور قارئین ماہنامہ ضیائے حدیث کو سلام اور ان پر اللہ کی سلامتی ہو۔ پاکستان ہمارا گھر ہے، اس کے ساتھ ہمارا دین اور ایمان کا رشتہ ہے۔ جب پاکستان کی طرف سے ہمیں کوئی اچھی خبر ملتی ہے تو ہم خوشی سے سرشار ہوجاتے ہیں اور جب کوئی بری خبر ملے تو ہمارے دل غم سے بھر جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان کی صحافت اغیار کے ہاتھوں یرغمال بن چکی ہے۔ اغیار کی کوشش ہے کہ پاکستان کو اس کی اصل شناخت، یعنی اسلام سے دور اور محروم کردیا جائے۔ ان حالات میں محبّ وطن، دین سے وابستہ صحافیوں، اہل قلم اور دینی جرائد پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کی صحافت کو درست سمت میں رکھیں۔

ضیائے حدیث، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ جریدہ قرآن و سنت کے احیاء اور اسے عام کرنے کا کام کررہا ہے، پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ عالم اسلام اور پاکستان کو درپیش مسائل کی نشاندہی کرے، فرقہ واریت کی بیخ کنی کرے اور اعتصام بحبل اللہ کی تعلیم کو عام کرے۔ میری دعا ہے کہ اللہ اس جریدے کو قبولیت عامہ کا شرف بخشے اور اپنے دین کی خدمت واشاعت کا کام اس سے لے لے۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے اس سلسلے میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسئلہ کشمیر تقسیم برصغیر کا نامکمل ایجنڈا ہے۔ تقسیم برصغیر کا جو فارمولا وضع کیا گیا اس کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسلم اکثریت کے علاقے اور ریاستیں پاکستان میں شامل ہوں گی اور غیر مسلم اکثریت کے علاقے وریاستیں ہندوستان میں شامل ہوں گی۔ یہ فیصلہ اس وقت کی برطانوی حکومت نے برصغیر کی دو بڑی نمائندہ جماعتوں آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کے مشورے سے کیا تھا۔ چنانچہ یہی اصول تھا جس کے تحت برصغیر کی 568 ریاستوں میں سے غیر مسلم ریاستوں کا الحاق بھارت سے اور مسلم ریاستوں کا الحاق پاکستان سے ہوگیا تھا۔ ریاست جموں کشمیر واضح طور پر مسلم اکثریتی ریاست تھی اور جغرافیائی طور پر بھی پاکستان سے ملحق تھی۔ جموں کشمیر کے مسلمان بھی پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کشمیری مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی جس نے بھاری اکثریت سے پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد منظور کی تھی۔ ریاست جموں کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی 80 فیصد تھی۔ ریاست کی سرحدیں بھی پاکستان سے ملحق تھیں اور ریاست کی اکثریتی مسلم آبادی بھی پاکستان



سے ملنا چاہتی تھی۔ ان تمام زمینی حقائق کی موجودگی میں ضروری تھا کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے ہوتا لیکن انگریز اور ہندوؤں کی سازشوں کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریز اور ہندو پاکستان کے قیام کے دشمن تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو اور پاکستان کے نام سے اسلامی مملکت معرض وجود میں آئے۔ لیکن جب برصغیر کے مسلمانوں کے آہنی عزم و حوصلے کی بدولت پاکستان کا قیام یقینی ہوگیا تو پھر ایسی سازشوں اور رکاوٹوں کے کھڑے کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جو مستقبل میں پاکستان کے لیے مشکلات اور خطرات کا باعث بن سکتی تھیں۔ ان سازشوں میں سے ایک سازش ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کرنا تھا۔ اس کے ساتھ میں آپ کو یہاں یہ تاریخی حقیقت بھی بتاتا چلوں کہ ریاست جموں کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان سے ملانے والے تمام راستے پاکستان سے گزرتے تھے یا پھر ایک راستہ گورداس پور کی تحصیل پٹھان کوٹ ریاست کو باقی دنیا سے ملاتا تھا۔ گورداس پور بھی مسلم اکثریتی علاقہ تھا جس کا بہرصورت پاکستان سے الحاق ہونا چاہیے تھا۔ اگر گورداس پور کا پاکستان سے الحاق ہوجاتا تو آج ریاست جموں کشمیر پاکستان کا حصہ ہوتی اور دنیا کے نقشے پر کشمیر نام کا کوئی تنازع نہ ہوتا۔ انگریز نے صریحاً ظلم و ناانصافی اور بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ریڈ کلف ایوارڈ کے ذریعے گورداس پور کو بھارت کے حوالے کرکے اسے ریاست میں فوجیں داخل کرنے اور اس پر قبضے کا موقع فراہم کردیا۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ 27 اکتوبر 1947ء کی وہ ایک سیاہ شب تھی جب بھارت نے اپنی فوجیں پٹھان کوٹ ریاست میں داخل کرکے اس کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ تب سے آج تک یہ مسئلہ حل طلب چلا آرہا ہے۔

ضیائے حدیث گیلانی صاحب! یہ فرمائیں کہ انگریز اور ہندو ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کیوں چاہتے تھے؟

گیلانی صاحب ہاں.....! آپ کا یہ سوال بہت دلچسپ ہے۔ اس سوال کی حقیقت کو پاکستان کے عوام، حکمرانوں، دینی و سیاسی جماعتوں کے قائدین اور عساکر پاکستان کے لیے سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ اگر پاکستانی حکمرانوں کی سمجھ میں یہ سوال آجائے تو ان کے لیے مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

برادر! بات یہ ہے کہ ہندوستان کے 9 صوبے تھے۔ جب تقسیم ہند کا وقت آیا تو عیار انگریزوں نے 9 میں سے 7 صوبے مکمل طور پر بھارت کو دے دیے۔ دو صوبے، یعنی بنگال اور پنجاب کے آدھے حصے پاکستان کو ملے۔ انگریز کی یہ تقسیم 100 فیصد غلط تھی۔ تاہم اس کے باوجود اگر ریاست جموں کشمیر کا پاکستان سے الحاق ہوجاتا تو گویا پاکستان اپنی تشکیل اور تکمیل میں مکمل ہوجاتا۔ پاکستان زرعی طور پر خودکفیل ہوتا اور دفاعی اعتبار سے ناقابل شکست بن جاتا۔ اس لیے کہ پاکستان کی زمینوں کو سیراب کرنے والے تمام دریاؤں کا منبع جموں کشمیر تھا۔ نہریں اور دریا جہاں زمینوں کو سیراب کرتے ہیں وہاں یہ دفاعی سرحدوں کا کام بھی کرتے ہیں۔ زرعی اور دفاعی اعتبار سے پاکستان کو بے دست و پا کرنے کے لیے ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کی راہ ہموار کی گئی تھی۔ چنانچہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دریائی اور نہری پانی کی قلت کی وجہ سے پاکستان کی زرعی زمینیں بنجر ہورہی ہیں اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے مملکت خداداد پاکستان اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

ضیائے حدیث گیلانی صاحب! بھارتی حکمران یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ 1947ء میں تقسیم کے وقت ریاست کشمیر کے برسراقتدار حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کا نہ صرف اعلان کردیا تھا بلکہ الحاق کی دستاویز پر دستخط کرکے انھیں قانونی شکل بھی دے دی تھی؟

گیلانی صاحب بھارتی حکمرانوں کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مہاراجہ بھارت کے ساتھ الحاق کی کسی ایسی دستاویز پر دستخط کرنے کا مجاز ہی نہ تھا۔ میں یہ بات پہلے کہہ چکا ہوں کہ جموں کشمیر واضح مسلم اکثریتی علاقہ تھا۔ یہاں کی مسلم آبادی پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتی تھی۔ ریاست کے جغرافیائی اور زمینی راستے اور رشتے بھی پاکستان سے ملتے تھے۔ انگریزوں کے تقسیم ہند کے وضع کردہ فارمولہ کی رو سے بھی ریاست کا الحاق صرف اور صرف پاکستان سے ہی ممکن تھا۔ اس پس منظر میں مہاراجہ کے پاس آئینی، قانونی، جمہوری اور اخلاقی اعتبار سے صرف دو راستے تھے۔ اولاً: یہ کہ وہ ریاست کے عوام کی دلی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ریاست کے پاکستان کے ساتھ



الحاق کا اعلان کر دیتا۔ ثانیاً: اقتدار سے الگ ہو جاتا اور اس بات کا فیصلہ ریاستی عوام پر چھوڑ دیتا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

امر واقع یہ ہے کہ یہ ریاست کا بھارت کے ساتھ الحاق محض ایک ڈرامہ اور دھوکہ تھا جو بھارتی حکمرانوں، مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے باہمی گٹھ جوڑ سے رچایا گیا تھا۔ اس ڈرامے کی نہ آئینی حیثیت تھی نہ اخلاقی اور نہ جمہوری۔ دوسری بات یہ ہے کہ بھارت نے جس دستاویز کو کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے وجہ جواز بنایا وہ دستاویز بذات خود جعلی تھیں۔ 27 اکتوبر 1947ء کی سیاہ شب جب الحاق کی دستاویز پر مہاراجہ ہری سنگھ کے دستخط کا ڈرامہ رچایا گیا اس وقت وہ عملاً ریاست پر حکمرانی کا حق کھو چکا تھا۔ اس لیے کہ 24 اکتوبر 1947ء کے سورج کے غروب ہونے تک مجاہدین ریاست کے ایک تہائی حصے کو ڈوگرہ سامراج کے پنجہ استبداد سے آزاد کرانے کے بعد وہاں پر آزاد ریاست جموں کشمیر کے نام سے ایک باقاعدہ حکومت کا قیام عمل میں لا کر ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان کر چکے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب مہاراجہ اپنا پایہ تخت چھوڑ کر مفرور ہو چکا اور موت کے خوف سے جان چھپاتا پھر رہا تھا۔ وہ سری نگر کو چھوڑ کر جموں میں پناہ لے چکا تھا۔ لہٰذا ایسا مہاراجہ جو خود مفرور تھا اس کی طرف سے الحاق کے اعلان کی کوئی آئینی و قانونی حیثیت نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کا مقبوضہ جموں کشمیر پر قبضہ غاصبانہ ہے۔ بھارتی حکمران تقسیم ہند کے ساتھ ہی ریاست جموں کشمیر کے بارے میں بدنیت ہو چکے تھے اور ریاست کے الحاق کا ڈرامہ اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

دوسرا دھوکہ جواہر لال نہرو نے اس وقت دیا جب 5 جنوری 1949ء کو سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی دہائی دی۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ مجاہدین زنگ آلود اور توڑے دار بندوقوں کی بدولت مہاراجہ کے تسلط سے ریاست کا ایک بڑا حصہ آزاد کروا چکے تھے۔ اور اب ان کا رخ سری نگر کی طرف تھا۔ جواہر لال نہرو نے جب دیکھا کہ سری نگر مجاہدین کے قدموں تلے آنے والا ہے تو انھوں نے سلامتی کونسل کی طرف رجوع کیا اور جنگ بندی کے لیے فریاد کی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نہرو کی یہ فریاد و داد محض دھوکہ تھا اور مقصد جموں کشمیر کے اس حصے کو بچانا تھا جہاں مجاہدین کے قدم ابھی نہ پہنچ سکے تھے۔ جواہر لال نہرو بہت شاطر انسان تھے۔ انھوں نے چانکیائی حربہ اختیار کیا اور سادہ لوح پاکستانی حکمران نہرو کے بچھائے ہوئے جال میں کچھ اس طرح سے الجھے کہ آج تک نہیں نکل سکے۔ 5 جنوری 1949ء کو سلامتی کونسل نے جنگ بندی کی پہلی قرارداد منظور کی۔ اس کے بعد سلامتی کونسل نے حق خودارادیت کی وقتاً فوقتاً 27 قراردادیں منظور کیں مگر بھارتی حکمران ہر قرارداد کو پائے حقارت سے ٹھکراتے چلے آ رہے ہیں۔

ضیائے حدیث مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے پاکستان کی طرف سے اب تک کی جانے والی کوششوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

گیلانی صاحب پہلی بات آپ یہ سمجھ لیں کہ پاکستان مسئلہ کشمیر کا بنیادی فریق ہی نہیں بلکہ وہ وکیل ہے کہ جس کا تقرر UNO نے کیا ہے۔ ہم سب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وکیل اپنے موکل کے لیے کیا کچھ کرتا ہے۔ وہ اپنے موکل کا مقدمہ جیتنے کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے اور آخری حد تک کوشش کرتا ہے۔ خاص کر جب موکل سچا ہو تو وکیل مقدمہ جیت کر رہتا ہے۔ تنازع کشمیر میں دو فریق ہیں: ایک پاکستان ہے اور دوسرا بھارت۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ بھارت جھوٹا ہے اور اس کا الحاقِ کشمیر کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے جبکہ پاکستان سچا ہے مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستانی حکمرانوں نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کم ہی کی ہیں۔ حالت یہ ہے کہ بھارت جھوٹا ہونے کے باوجود اتنا پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ دنیا اسے سچا سمجھ رہی ہے اور پاکستان سچا ہونے کے باوجود اتنا لاپروا ہے کہ دنیا اسے سچا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ یہ پاکستانی حکمرانوں کی سستی، کاہلی اور لاپروائی ہے جس کا بہرصورت ازالہ ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بعد کشمیری مسلمان پاکستان ہی کو سب سے بڑا سہارا سمجھتے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ہمارا دین اور ایمان کا رشتہ ہے جو دنیا کے تمام رشتوں سے مضبوط اور پختہ تر ہے۔ جب پاکستان کے قیام کی تحریک چلی تو اہل کشمیر نے اسی وقت اپنا مقدر پاکستان سے وابستہ کر لیا تھا اور پاکستان کے قیام کے لیے پسینے کی جگہ اپنا خون بہایا تھا۔ 1947ء کے موقع پر جس طرح ہندوستان بھر میں مسلمانوں



کا قتل عام کیا گیا اسی طرح ریاست جموں کشمیر میں بھی ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا تھا۔ ان کی عزتوں کو پامال کیا گیا، بچوں کو نیزوں کی انیوں میں پرویا گیا، ان کے گھروں کو خاکستر کیا گیا اور لاکھوں کشمیریوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ وہ سزا تھی جو پاکستان کے ساتھ محبت کے جرم میں ان کو دی گئی۔ اہل کشمیر آج بھی پاکستان کے ساتھ محبت کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ایک وقت تھا جب کشمیری مائیں اپنے گھروں میں پاکستانی نمک انتہائی قیمتی سوغات کی طرح سنبھال کر رکھتی تھیں۔ وہ اپنے بچوں کو پہلی گڑھتی پاکستانی نمک کے ساتھ دیا کرتی تھیں تاکہ وہ بڑے ہوکر پاکستان کے جاں نثار وفادار رہیں۔

ضیائے حدیث اس وقت کشمیری مسلمان پاکستان کے بارے میں کیا سمجھتے، کیا سوچتے اور کیا خیالات رکھتے ہیں؟

گیلانی صاحب کشمیری عوام کی پاکستان کے ساتھ محبت وعقیدت کی اب وہ کیفیت نہیں رہی جو ماضی میں تھی۔ اگر محبت وعقیدت کے جذبات میں کوئی کمی آئی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے ذمہ دار خود پاکستانی حکمران ہیں جو مسئلہ کشمیر پر اپنے موقف میں ہرگزرتے دن کے ساتھ پسپائی اختیار کرتے جارہے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے سب سے شرم ناک کردار پرویز مشرف کا رہا ہے۔ پرویز مشرف خود کو کارگل کا ہیرو سمجھتے تھے لیکن وقت آنے پر وہ ہیرو کی بجائے زیرو ثابت ہوئے اور مسئلہ کشمیر پر ایسی پسپائی اختیار کی کہ جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ پرویز مشرف دور ہی میں LOC پر باڑ لگی۔ بھارتی فوج نے پختہ بنکر و مورچے تعمیر کیے، اسکینر و کیمرے لگے۔ مشرف دور کی وزارت خارجہ کی ترجمان نے کشمیر پر سے دستبرداری تک کا اعلان کر ڈالا۔ مجاہدین کی پشتیبانی ترک کرنے کا اعلان کیا۔ مسئلہ کشمیر پر نت نئے موقف اختیار کیے۔ UNO کی قراردادیں، جو مسئلہ کشمیر کی بنیاد ہیں، انھیں متروک قرار دیا۔

یہی حال آصف علی زرداری کا تھا۔ آصف علی زرداری اپنے دور اقتدار میں مجاہدین کی بندوقوں کو زنگ لگنے کی بددعائیں دیتے رہے۔ پرویز مشرف اور آصف علی زرداری دور میں بھارتی فوج کا ظلم پورے عروج پر رہا جبکہ پاکستانی حکمران بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینے کے درپے رہے۔ ان حالات میں آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کشمیری عوام کی پاکستان کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہیے۔ بہرحال پاکستانی حکمرانوں کی تمام تر بے وفائیوں کے باوجود کشمیری عوام کو آج بھی پاکستان سے محبت ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس محبت میں کمی ضرور واقع ہوئی ہے۔ اس گئے گزرے وقت میں بھی مقبوضہ وادی میں ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کے نعرے لگ رہے ہیں اور سری نگر کے لال چوک میں پاکستانی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ میں پاکستانی حکمرانوں سے کہوں گا کہ وہ اہل کشمیر کے جذبات و احساسات کو سمجھیں اور تحریک آزادئ کشمیر کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ بھارت نہ پہلے پاکستان کا دوست تھا نہ اب دوست ہے اور نہ آئندہ دوست بن سکتا ہے۔ وہ مذاکرات کی آڑ میں دھوکا دیتا ہے۔ یہاں میں یہ بات بھی واضح کردوں کہ ہمارا شکوہ پاکستانی حکمرانوں سے ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ پاکستانی نوجوانوں کا خون بھی تحریک آزادئ کشمیر میں شامل ہے۔ ہم پاکستانی قوم کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ اس کو محبت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے لیے دعا گو ہیں۔

ضیائے حدیث گیلانی صاحب! یہ فرمائیں کہ پاکستان میں دہشت گردی کی وارداتوں میں کس کا ہاتھ ہے؟

گیلانی صاحب میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں بنیادی کردار بھارت اور امریکہ کا ہے۔ بنیا اور برہمن کو جتنا قریب سے ہم جانتے ہیں اتنا شاید پاکستانی حکمران نہیں جانتے۔ برہمن مسلمانوں کا دشمن ہے۔ وہ پاکستان کا بھی دشمن ہے۔ پاکستان 64 سال سے برہمن کی دشمنی دیکھ اور بھگت رہا ہے۔ 1971ء کے موقع پر پاکستان کا دولخت ہونا ایسا واقعہ نہیں کہ جسے آسانی سے فراموش کردیا جائے۔ پاکستان کو دولخت کرنے کا ذمہ دار بھارت ہی تھا۔ میں پاکستانی حکمرانوں سے پوچھتا ہوں کہ 1971ء کے بعد بھارت نے اپنے رویے اور قول وعمل میں کون سی تبدیلی کی ہے؟ آبی دہشت گردی کون کررہا ہے؟ ایسے ہی تخریب کاری کی وارداتوں کے پیچھے بھی بھارت اور امریکہ کا ہاتھ ہے۔ میں پاکستانی



حکمرانوں سے کہنا چاہوں گا کہ وہ بھارت کو دوست سمجھنا چھوڑ دیں اور امریکہ کے حلقہ غلامی سے نکل آئیں۔ یہ بات ضرب المثل بن چکی ہے کہ جس کا دوست امریکہ بن جائے اسے کسی دشمن کی ضرورت نہیں رہتی۔

ضیائے حدیث گیلانی صاحب! بھارتی حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ عسکریت دم توڑ چکی ہے۔

گیلانی صاحب میں بھارتی حکمرانوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر عسکریت دم توڑ چکی ہے تو اسے مقبوضہ وادی میں 8 لاکھ فوج رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ 8 لاکھ فوج پر ماہانہ کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ آخر بھارتی حکومت اتنا بھاری خرچہ کیوں کر رہی ہے؟ عسکریت کے دم توڑنے کا بھارتی دعویٰ بالکل جھوٹ اور بے بنیاد ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عسکریت آج بھی موجود ہے اور توانا و سرگرم عمل ہے۔ مجاہدین بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ فوجی مر رہے، زخمی ہو رہے اور خودکشیاں کر رہے ہیں۔ اس کا اعتراف بھارت کے اپنے غیر جانبدار حلقے بھی کر رہے ہیں۔ بھارتی فوج کے کئی سابقہ جنرل اپنی حکومتوں سے کہتے رہے ہیں کہ فوج کے زور سے عسکریت پر قابو پانا ممکن نہیں، مسئلہ کشمیر کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ ایک عرصہ تک عسکریت پورے زوروں پر رہی ہے۔ حالات میں تھوڑی سی تبدیلی 9/11 کے بعد آئی جب امریکہ کی طرف سے پاکستان سخت قسم کے دباؤ کا شکار ہوا اور بھارت کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آزادی کی تحریکوں میں اس طرح کے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ امریکہ اب افغانستان سے بھاگنے کی تیاری کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد کشمیر کی آزادی کی منزل قریب تر آجائے گی۔

ضیائے حدیث 5 فروری کے اظہار یکجہتی سے اہل کشمیر کے ساتھ تعاون کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں؟

گیلانی صاحب میں سمجھتا ہوں کہ سال میں صرف ایک دن منالینا کافی نہیں اور نہ ہی اس سے یکجہتی کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔ 5 فروری کا دن عمل کا متقاضی ہے۔ صرف جلسے جلوس کر لینے، تقریریں کر لینے اور قراردادیں پاس کر لینے سے آزادی نہیں ملا کرتی بلکہ اصل چیز عمل ہے۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں جو تاریخی قرارداد پیش کی گئی اس نے حقیقت کا روپ تب دھارا کہ جب مسلمان اپنی جانوں پر کھیلنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کا جذبہ تھا کہ جس کی بدولت اس قرارداد نے صرف 7 سال کے قلیل عرصہ میں حقیقت کا روپ دھار لیا تھا۔ آج تحریک آزادئ کشمیر کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسی جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ 5 فروری کے دن کی اہمیت سے کلی انکار ممکن نہیں۔

جماعت اسلامی کے سابق امیر قاضی حسین احمد مرحوم کی اپیل پر یہ دن منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گو آج قاضی صاحب زندہ نہیں ہیں لیکن ان کی اچھی یادوں میں سے یہ یاد بھی ہے۔ قاضی حسین احمد قول و عمل کے مجاہد تھے۔ ان کو تحریک آزادئ کشمیر سے بے پناہ محبت تھی۔ 5 فروری کا دن پاکستانی قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے اور انھیں یہ بات باور کرواتا ہے کہ تحریک آزادئ کشمیر کے لیے کوشش کرنا ان پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔

ضیائے حدیث آپ کا پاکستانی اور کشمیری عوام کے نام کیا پیغام ہے؟

گیلانی صاحب میرا پاکستانی اور کشمیر عوام کے نام یہ پیغام ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی سخت کیوں نہ ہوں مایوسی کو قریب نہیں بھٹکنے دینا، اس لیے کہ مایوسی کفر ہے۔ وہ مسلمان جس کا اللہ پر ایمان ہو وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہی قرآن کی تعلیم اور نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ مقبوضہ جموں کشمیر کے مسلمان اس وقت اس طرح ہیں جیسے جیل میں محبوس کوئی مجبور اور بے بس شخص ہو۔ تاہم ان کے حوصلے جوان ہیں۔ ہم آزادی کی تحریک کو ہر حال میں جاری رکھیں گے اور استقامت کا بھرپور مظاہرہ کریں گے۔ آزادی کے لیے ہم نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ قربانیاں دینے میں آزاد کشمیر اور پاکستانی عوام بھی پیچھے نہیں۔ اس لیے میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہم آزادی کی منزل حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

میں پاکستانی عوام سے کہوں گا کہ وہ اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کریں، اپنے آپ کو جانیں اور اپنے دشمن کو پہچانیں۔ دشمن فرقہ واریت کے نام پر ان کو آپس میں لڑانا چاہتا ہے۔ لہٰذا دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے کی اشد ضرورت ہے۔



جنرل (ر) پرویز مشرف کے ڈرامے

لامحدود جنگ کو دعوت

سخن گسترانہ
خالد سیال

خبر ہے کہ جنرل (ر) پرویز مشرف کا دِل ٹھہر گیا ہے، انھیں ٹھنڈے پسینے آنا بند ہوگئے ہیں اور انھوں نے فوجی ہسپتال کے تمام سہولتوں سے آراستہ وی آئی پی کمرے کی بالکونی میں چہل قدمی بھی شروع کردی ہے اور اپنی اہلیہ سمیت قریبی رفقاء سے ملاقاتیں بھی کررہے ہیں۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کا دِل 2 جنوری کو اچانک بیٹھ گیا تھا جب وہ چک شہزاد اسلام آباد میں اپنے پرتعیش گھر سے عدالت جارہے تھے۔ ان کے دِل نے اچانک عدالت کے سامنے پیش ہونے سے انکار کردیا اور وہ راولپنڈی میں دِل کے فوجی ہسپتال کے ڈاکٹروں کے سامنے جابیٹھے۔ جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں پرویز مشرف کو دِل کے فوجی ہسپتال (آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی) میں زبردستی گھسے ہوئے بیس روز ہوچلے ہیں، اس دوران میں ڈاکٹروں نے جو رپورٹس دی ہیں ان کے مطابق جنرل مشرف کے دل میں کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں جوتشویش کا باعث ہو مگر ڈاکٹروں کی ان رپورٹوں کے باوجود کبھی پرویز مشرف کا دِل بیٹھنے لگتا ہے، کبھی ان کے بقول انھیں ٹھنڈے پسینے آتے ہیں، کبھی وہ کندھوں میں درد محسوس کرتے ہیں، کبھی ان کے جوڑ دکھنے لگتے ہیں۔ فوجی ہسپتال کے ڈاکٹر پریشان ہیں کہ وہ اس گھس بیٹھیے کو ہسپتال سے کیسے نکالیں کہ وہ بہرحال ان کا سابق چیف رہا ہے اور فوج کی کچھ اپنی روایات بھی ہیں۔ جنرل پرویز مشرف نو برس تک مکا لہرا لہرا کر قوم کو ڈراتے رہے اور مسلسل یہ دعویٰ کرتے رہے کہ میں کسی سے ''ڈرتا ورتا نہیں۔'' اپنے اس دعوے کے برعکس آج وہ تین رکنی عدالت کے ڈر سے مختلف ڈرامے کررہے ہیں، وہ مسلسل عدالت سے راہِ فرار اختیار کررہے ہیں اور مختلف حیلوں بہانوں سے کوشاں ہیں کہ اس ''بہادر'' کمانڈو کو ملک سے بھاگ نکلنے کا کوئی موقع میسر آجائے۔

جنرل (ر) پرویز مشرف گزشتہ برس جب پاکستان آنے لگے تو تب کے آرمی چیف جنرل کیانی اور جنرل صاحب کے متعدد بہی خواہوں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان آنے کی غلطی نہ کریں مگر موصوف کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ پاکستان کے عوام ان کا بڑی بے تابی کے ساتھ انتظار کررہے ہیں اور جب وہ پاکستان میں اتریں گے تو لاکھوں لوگ ان کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔ پاکستانی عوام واقعی جنرل مشرف کا انتظار کررہے تھے، اس سب کچھ کا حساب لینے کے لیے جو وہ پاکستانیوں کے ساتھ کرتے رہے تھے اور ان شہیدوں کا خون بھی انھیں پکار رہا تھا جنھیں اس پاکستان اور اسلام دشمن جرنیل نے بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کروایا تھا۔ ان مظلوموں کی آہیں اور سسکیاں شاید عرشِ الٰہی تک پہنچ گئی تھیں جو جنرل مشرف کو کھینچ کر پاکستان لے آئیں اور اس کے دماغ نے یہ سوچنا چھوڑ دیا کہ پاکستان پہنچ کر ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ جنرل مشرف جب پاکستان میں وارد ہوئے تو وہ یہ جان کر حیران و پریشان ہوگئے کہ ایئرپورٹ پر ان کے چند درجن نمک خواروں کے علاوہ کوئی نہ تھا حتی کہ وہ لوگ بھی کہیں نظر نہ آرہے تھے جو نو برس اقتدار کے دوران

ARMED FORCES INSTITUTE OF CARDIOLOGY
NATIONAL INSTITUTE OF HEART DISEASES

میں جنرل مشرف کے دائیں بائیں نظر آتے تھے۔ اور ان چوہدریوں کو تو جنرل پرویز مشرف کی شاید شکل بھی بھول گئی تھی جو انھیں دس بار وردی میں منتخب کرانے کے اعلانات کیا کرتے تھے۔

جنرل پرویز مشرف جو مسلسل نو برس تک آئین و قانون کے ساتھ کھیلتا رہا، آج قانون کے شکنجے میں پھنس چکا ہے، گو میاں نواز شریف نے اعلان کیا ہے کہ وہ ذاتی حیثیت میں جنرل مشرف کو بہت پہلے معاف کر چکے ہیں، تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ جنرل مشرف کے خلاف آئین سے غداری کا مقدمہ بھی نواز شریف کی حکومت نے ہی درج کرایا ہے۔ اس مقدمے نے جنرل مشرف کے حواس شل کر دیے ہیں اور وہ قانون سے بچنے کے لیے طرح طرح کے ڈرامے کر رہے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ قانون سے جان بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح فرد جرم عائد ہونے سے قبل ہی ملک سے فرار ہو جائے مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ کوئی بھی ان کا ساتھ نہیں دے رہا۔ امید کی آخری کرن فوج بھی جنرل مشرف کے معاملے پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے اور فوج کے نئے سربراہ نے جنرل مشرف کے حوالے سے اپنے لب سی رکھے ہیں۔ جنرل مشرف نے پہلے بڑی عیاری کے ساتھ یہ بیان دیا کہ ''پوری فوج غداری کیس پر ناراض اور میری پشت پر ہے۔ میں نے جو کیا اس پر فوج کی حمایت حاصل تھی، میرے خلاف اب انتقامی کارروائی ہو رہی ہے۔'' اس بیان کے اگلے ہی روز جنرل مشرف نے انتہائی مایوسی کے ساتھ یہ بیان دیا کہ ''میں آرمی چیف (جنرل راحیل) پر چھوڑتا ہوں کہ وہ میرے دفاع میں کہاں تک جاسکتے ہیں۔'' پرویز مشرف کے ان بیانات کے باوجود فوج کی طرف سے مکمل خاموشی اختیار کی گئی تو موصوف نے 2 جنوری کو عدالت میں حاضر ہونے کے بجائے دِل کے فوجی ہسپتال کا رخ کرلیا اور یہ سب کچھ اس ڈرامائی انداز میں کیا کہ سب دیکھتے رہ گئے اور جنرل (ر) مشرف دِل بیٹھنے اور مختلف بیماریوں کا بہانہ کرکے ہسپتال میں گھس کر بیٹھ گئے اور باہر جانے سے انکار کردیا۔ اب فوجی ڈاکٹران کے دِل کو کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کمانڈو جب مردوں کی طرح اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کرنے کے بجائے عورتوں کی طرح نت نئے بہانے کرکے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں لیکن آخر کب تک ان کے ڈرامے چلیں گے۔

جنرل پرویز مشرف کے لیے بچاؤ کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ مردانگی کے ساتھ مقدمات کا سامنا کریں اور اپنی عاقبت کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص قلب کے ساتھ توبہ کریں یوں وہ دنیا میں سزا سے نہ بھی بچ پائیں تو آخرت کی بڑی سزا اور لامحدود عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک فوج پرویز مشرف کے بارے میں کوئی مداخلت نہیں کر رہی مگر کمانڈو صاحب جس طرح کے ڈرامے کر رہے ہیں اور فوج و آرمی چیف کے حوالے سے جو بیانات دے رہے ہیں، اس سے عام طور پر یہی سمجھا گیا کہ فوج اپنے سابق سربراہ کے سیاہ کرتوتوں پر پردہ ڈال کر انھیں بچانا چاہتی ہے۔ جنرل (ر) مشرف فوج کی آڑ لے کر مسلسل اسی کوشش میں ہیں کہ انھیں علاج کے بہانے پاکستان سے نکل جانے کا موقع میسر آجائے مگر فوج کی اپنی عزت اور وقار اسی میں ہے کہ نظریہ پاکستان کے قاتل، سینکڑوں پاکستانیوں کے خون میں ملوث اور پاک فوج کی بدنامی کا باعث بننے والے اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنے ''کارناموں'' کا خود جواب دے۔ اگر فوج، حکومت یا کسی بھی قوت نے جنرل (ر) پرویز مشرف کو پاکستان سے نکالنے میں کوئی کردار ادا کیا تو پاکستان میں آخری ہچکی لیتا ہوا قانون اور آئین ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے گا اور پاکستان میں قتل و غارت اور خون کا کھیل کھیلنے والوں کو یہ جواز مل جائے گا کہ پاکستان میں قانون صرف کمزور کے لیے ہے اور پھر ایک ایسی جنگ شروع ہوگی جسے روکنا کسی حکومتی ادارے کے بس میں نہ ہوگا۔

اب عوام الناس ریاستی اداروں اور حکومتوں کی ناانصافیوں، اقربا پروریوں اور مقتدر شخصیات کے مفادات کی حفاظت پر مبنی پالیسیوں سے اس قدر تنگ آچکے ہیں کہ وہ کسی بھی آواز پر لبیک کہہ کر لامحدود جنگ کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ اس جنگ سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اب ہمارے حکمران، ہماری عدالتیں اور ہمارے ریاستی ادارے چند ''بڑوں'' کو بچانے کی بجائے پاکستان کے بیس کروڑ عوام اور پاکستان نامی ریاست کو بچانے کے لیے فیصلے کریں۔

حافظ شبیر صدیق

شجرکاری

درخت لگائیں...ثواب کمائیں



مختلف موسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہیں۔ اگر ہمیشہ ایک ہی طرح کا موسم رہتا تو انسان اکتا جاتا اور اپنے امور زندگی بھی صحیح طرح سے انجام نہ دے سکتا۔ موسمِ بہار بھی ان موسموں میں سے ایک ہے۔ یہ بڑا خوشگوار موسم ہوتا ہے۔ اسے شجرکاری کا موسم بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسمِ بہار میں شجرکاری کی خصوصی مہمات چلائی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے خصوصی پروگرام بھی منعقد کیے جاتے ہیں جس میں لوگوں کو شجرکاری سے متعلقہ امور میں بریفنگ دی جاتی ہے۔

دین اسلام نے شجرکاری کو بڑی اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام شجرکاری کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کرتا اور انھیں اجر کی نوید سناتا ہے۔ شجرکاری سے متعلق نبی ﷺ کی تعلیمات جابجا موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بکثرت شجرکاری کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر قیامت قائم ہوجائے اور تم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں کھجور کا پودہ ہو تو اگر وہ شخص اس پودے کو اگانے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس وقت بھی اس کو زمین میں بو دے۔'' (مسند أحمد: 191/3) ہم جب شجرکاری کے حوالے سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو مختلف پہلوؤں سے اس کی اہمیت ہمارے سامنے اجاگر ہوتی ہے۔ زیرنظر مضمون میں ہم شجرکاری کے ان مختلف پہلوؤں کو بیان کریں گے جو شرعی نصوص سے ماخوذ ہیں۔ یاد رہے کہ شجرکاری میں ہر قسم کے پودے شامل ہیں چاہے وہ پھل دار ہوں یا پھول دار یا صرف سایہ دار ہی ہوں۔

شجرکاری....ثواب ہی ثواب

''پودا لگانا عبادت ہے۔'' یہ جملہ اکثر طور پر ہمیں پڑھنے کو ملتا ہے۔ کبھی بینروں پر لکھا ہوا اور کبھی اشتہارات یا ہینڈ بلوں پر۔ اس جملے کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْيَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ» ''جب کوئی مسلمان بندہ درخت اگاتا ہے یا کوئی اور کھیتی بوتا ہے تو اس درخت یا کھیتی میں سے اگر کوئی پرندہ، انسان یا جانور کچھ کھا لیتا ہے تو اس درخت لگانے والے آدمی کے لیے ان کا کھا لینا بھی صدقہ شمار ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 2320) یعنی اگر کوئی پرندہ اس درخت کا پھل کھا لیتا ہے یا کوئی جانور اس درخت کے پتے وغیرہ کھا لیتا ہے تو اس مالک کے نامۂ اعمال میں یہ صدقہ لکھا جائے گا، مثلاً: اگر کوئی پرندہ امرود کے درخت پر بیٹھ کر ایک امرود کھا جاتا ہے تو اس درخت کے مالک کے



نامۂ اعمال میں یہ لکھ دیا جائے گا کہ اس نے ایک امرود اللہ کی راہ میں صدقہ کیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سبزی کی فصل یا کوئی اور فصل بوتا ہے تو کوئی انسان، پرندہ یا جانور اس میں سے کھا جاتا ہے تو مالک کے نامۂ اعمال میں وہ صدقہ لکھا جائے گا۔ اس لیے وہ شخص جو کوئی درخت وغیرہ لگاتا ہے تو اسے اس حدیث کی روشنی میں یہ جان لینا چاہیے کہ وہ صرف درخت نہیں لگا رہا بلکہ اپنے لیے ثواب کمانے کی ایک فیکٹری کی بنیاد رکھ رہا ہے۔ بظاہر کسی قسم کا فائدہ نہ بھی ہو رہا ہو تو کم از کم درخت آکسیجن تو فراہم کر ہی رہا ہے۔

شجرکاری.....صدقۂ جاریہ

شجرکاری دنیا کے اعتبار سے تو نفع بخش ہے ہی ہے آخرت کے حوالے سے بھی یہ ایک نفع مند تجارت ہے۔ یہ ایک ایسی مفید تجارت ہے کہ بندے کی موت کے بعد بھی اجر کی صورت میں اسے فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''سات چیزیں ایسی ہیں کہ بندے کی موت کے بعد بھی ان کا اجر اسے پہنچتا رہتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ کھجور کا درخت اگاتا ہے تو اس کی وفات کے بعد بھی جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا اجر اسے ملتا رہے گا۔'' (صحیح الجامع الصغیر: 336/2)

کوئی بھی ایسا درخت جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں وہ صدقۂ جاریہ میں شمار ہوگا۔

ضرورت کی جگہوں پر شجرکاری

ہمارے ہاں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کہیں آنے جانے کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو سٹاپ پر آنا پڑتا ہے جہاں سے وہ گاڑی پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں عموماً بس سٹاپوں پر موسمِ گرما میں موسم کی شدت سے بچنے کے لیے کچھ خاص بندوبست نہیں ہوتا۔ خصوصاً دیہاتوں میں مسافروں کے لیے سائے کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسافرین کی سہولت کے پیش نظر ایسی جگہوں پر مسافر خانہ تعمیر کرنے کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حدیث میں مسافر خانے کی تعمیر کو صدقۂ جاریہ کہا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: 242) جس طرح مسافر خانے کا مقصد مسافروں کو سہولت پہنچانا ہوتا ہے اسی طرح سٹاپ پر درخت لگانے کا مقصود بھی مسافروں کو دھوپ کی شدت سے بچانا ہے۔

چوری شدہ پھل پر بھی اجر

ہمارے ہاں پھلوں کے باغ یا سبزیوں وغیرہ کی چوری کرنے کا رواج عام ہے۔ یہ کوئی قابل ستائش فعل نہیں بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے مالکان کو اپنی فصل کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ مگر پھر بھی کچھ ماہر قسم کے چور پھل وغیرہ چوری کر جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مالکان کو پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ انھیں اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا یہ چوری کیا گیا پھل ضائع نہیں جائے گا۔ جس قدر پھل وغیرہ چوری ہوا ہے وہ ان کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا اور قیامت کے دن ان کو اجر سے نوازا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''کوئی مسلمان اگر درخت لگاتا ہے اور اس میں سے کچھ چوری کر لیا جاتا ہے تو وہ بھی اس کے مالک کے لیے صدقہ لکھا جائے گا۔'' (صحیح الترغیب و الترھیب للألباني: 353/2)

نبی ﷺ فصل اگانے کا حکم دیتے ہیں

شجرکاری اور فصل اگانے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمین خالی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس زمینیں تو تھیں مگر وہ کاشت نہیں کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ خود زمین کاشت نہیں کر سکتے تو اپنے کسی دوسرے بھائی کو بطور ہدیہ دے دیں تاکہ زمین خالی نہ پڑی رہے۔'' (صحیح البخاری: 2341)

یہود خیبر کے باغات

خیبر کا علاقہ بڑا زرخیز علاقہ تھا۔ وہاں یہودیوں کے کچھ قبائل آباد تھے۔ انھوں نے زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے پیمانے پر شجرکاری کر رکھی تھی۔ جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا تو وہ تمام باغات رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں آ چکے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو ان کے تمام باغات کو تہس نہس کروا دیتے۔ آپ ﷺ نے ان باغوں کو برقرار رکھا اور یہود سے یہ معاملہ طے پایا کہ ان کی دیکھ بھال وہ ہی کریں گے، البتہ جو پھل حاصل ہوگا اس میں سے آدھا ان کو دیا جائے گا۔ (صحیح البخاري: 2331)



رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے شجرکاری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان درختوں کو برقرار رکھا اور ان کی دیکھ بھال کے لیے باقاعدہ یہود کی ڈیوٹی لگادی۔

باغات کی حفاظت کے لیے کتے

شجرکاری یا کھیتی باڑی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شرعاً کتا پالنا منع ہے، البتہ اگر باغات یا کھیتی باڑی کی حفاظت کے لیے کتا پالا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر کوئی شخص کھیتی باڑی اور چوپایوں کی حفاظت کے لیے یا شکاری کتے کے علاوہ کوئی اور کتا پالتا ہے تو اس کے اعمال میں سے ہر روز ایک ایک قیراط کے بقدر اجر کم کردیا جاتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 2322) یعنی پھلوں اور پھول دار پودوں کی حفاظت کی خاطر شریعت کتے پالنے کی اجازت بھی دیتی ہے۔ اس سے شجرکاری کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

درخت نہ کاٹو.....!

نئے درخت لگانے کی اہمیت اور اجر و ثواب تو ہے ہی، رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے موجود درختوں کو بھی کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''درختوں کو نہ کاٹو، اس لیے کہ یہ درخت قحط سالی کے دور میں جانوروں کے موت سے بچنے کا سبب ہیں۔'' (مصنف عبدالرزاق: 146/5)

ابودرداء رضی اللہ عنہ شجرکاری کرتے ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت نیکی کی تلاش میں رہتے تھے۔ اسی سوچ کے پیش نظر ایک مرتبہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ درخت لگا رہے تھے۔ ایک آدمی نے انھیں درخت لگاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا: ''ابودرداء! آپ صحابی رسول ہونے کے باوجود درخت لگا رہے ہیں۔'' ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بھی شخص کوئی درخت لگاتا ہے تو اس درخت میں سے اگر کوئی آدمی کھائے یا اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی مخلوق کھائے گی اس کا اجر اس درخت لگانے والے آدمی کو ملے گا۔'' (صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 354/2)

گویا اس آدمی نے درخت لگانے کو ایک عام اور گھٹیا عمل سمجھا مگر سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اس کی غلط سوچ کی تردید فرمائی اور شجرکاری کی اہمیت اور فضیلت پر نبی ﷺ کی حدیث سنائی۔

موجودہ دور میں شجرکاری کی اہمیت

دورِ حاضر میں پلوشن ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ اس مسئلے کا حل اس میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ درخت کاشت کیے جائیں۔ اگر پلوشن اسی طرح بڑھتی رہی اور اس کے مقابلے میں شجرکاری نہ ہوئی تو انسان کے لیے دشواری پیدا ہوگی۔ اسی طرح درخت آکسیجن کے لیے بھی انتہائی مفید ہیں۔ علاوہ ازیں درخت اور سبزہ اس زمین کا حسن ہے۔ پھول، کلیوں اور پودوں پر بہار دیکھ کر انسان پر بھی بہار آجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
''مہمان کی میزبانی تین دن تک ہے۔ اگر کوئی شخص تین دن سے زیادہ کسی کے ہاں ٹھہرتا ہے تو میزبان اس پر جو بھی خرچ کرے گا وہ صدقہ شمار ہوگا۔''
(صحيح البخاري: 6135)

حافظ آباد کی سوغات
سپیشل مردانہ گرم چادریں
عمدہ اور نفیس رنگوں میں .....
تیار کردہ
حافظ کلاتھ ہاؤس ڈاکخانہ روڈ، حافظ آباد
054-7520829



درختوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ تیز آندھی کی شدت کو کم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ عمومی سوچ تو یہ ہے کہ درخت آندھی کا سبب بنتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب درخت آندھی کے آگے آڑ بنتے ہیں تو آندھی انھیں اکھاڑ دور پھینکتی ہے۔

اسی طرح درختوں کا یہ فائدہ بھی ہے کہ یہ فضا کو آلودگی سے پاک رکھتے ہیں اور ماحول صاف ستھرا رہتا ہے۔ ایسے ہی بہت ساری صنعتوں کا دارومدار بھی ان درختوں پر ہے۔ درختوں کے پتوں سے کاغذ تیار کیا جاتا ہے جو انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ کچھ موذی امراض ایسی ہیں کہ ڈاکٹر حضرات مریض کے اہل خانہ کو اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ مریض کو گھر میں رکھنے کی بجائے کسی صاف ستھرے باغ میں رکھا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ درختوں کے بے شمار فوائد ہیں۔ اگر ایک ایک درخت کے الگ الگ فوائد نوٹ کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے صرف ایک مثال ذکر کرتے ہیں: شہد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت ساری بیماریوں کی شفا رکھی ہے۔ شہد بنانے کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی ہی کی لگائی ہے مگر وہ مکھی جب مختلف درختوں پر بیٹھ کر شہد تیار کرتی ہے تو درختوں کے مختلف ہونے کی بنا پر اس کی تاثیر میں بھی خاصا فرق پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ بیری کا شہد پسند کیا جاتا ہے۔ یعنی بیری کے درخت پر بنے ہوئے شہد کے فوائد دوسرے درختوں پر بنے ہوئے شہد کی نسبت زیادہ ہیں جس سے بیری کے درخت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر درخت کے اپنے اپنے فائدے ہیں جو بے شمار ہیں۔ ہر درخت اپنے الگ الگ فوائد کی بدولت اپنا اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ شجرکاری کے دینی اور دنیاوی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے معاشرے میں رواج دیا جائے اور جس جگہ ممکن ہو وہاں شجرکاری کی جائے۔ موسم بہار شروع ہونے والا ہے، اس لیے ابھی سے اپنے آپ کو شجرکاری کے لیے تیار کرلیں اور ایک ہدف مقرر کرلیں کہ اس بار ہم نے اتنے درخت اگانے ہیں۔

درخت کاٹنا بھی باعث اجر

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح درخت اگانے پر اجروثواب کی نوید سنائی ہے اسی طرح درخت کاٹنے پر بھی بہت زیادہ اجروثواب بیان فرمایا ہے۔ مگر یہ اجروثواب ہر درخت کے کاٹنے پر نہیں بلکہ اس درخت کے کاٹنے پر ہے جو کسی راستے میں ہو اور لوگوں کو اس درخت سے تکلیف کا سامنا ہو۔ ایسے درخت کے کاٹنے یا درخت کے تکلیف دہ حصے کو کاٹنے کا بہت اجروثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''ایک آدمی نے راہ چلتے ایک کانٹے دار ٹہنی دیکھی تو اسے وہاں سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدردانی کی اور اسے بخش دیا۔'' (صحيح البخاري: 652)

اس حدیث کی روشنی میں ہمیں ان درختوں کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے جو گھر کے باہر لگائے جاتے ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ درخت بڑا ہونے پر اس کی شاخیں راستے تک پھیل جاتی ہیں اور گزرنے والے لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ ایسی شاخیں جو راہ گزر لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں انھیں گاہے گاہے کاٹتے رہنا چاہیے تاکہ لوگ بھی تکلیف سے بچ جائیں اور اجروثواب بھی حاصل ہو۔

جنت میں شجرکاری

آدمی دنیا ہی میں رہ کر جنت میں بھی شجرکاری کرسکتا ہے۔ جنت میں شجرکاری کیسے ہوگی؟ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہماری بہترین راہنمائی کرتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پودا لگا رہے تھے۔ نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو پوچھا: ''ابوہریرہ! کیا پودا لگا رہے ہو؟'' میں نے کہا: ''میں اپنے لیے پودا لگا رہا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس سے بہتر پودے کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم یہ کہا کرو: « سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر » تمھارے لیے ان میں سے ہر ایک کے بدلے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔'' (سنن ابن ماجه: 3807)

ڈاکٹر طارق ریاض

کِنّو

KINNOW

سائنسی تجزیہ اور فوائد



اللہ تعالیٰ نے ترشاوا (CITRUS) پھلوں کی صورت میں ہمیں بہت عظیم نعمت سے نواز رکھا ہے۔ سٹرس فروٹس (CITRUS FRUITS) میں کِنّو، لیموں، مالٹا، سنگترہ، چکوترا وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کا تعلق "RUTACEAE" خاندان سے ہے۔ جسے ترشاوا خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ اپنے ذائقہ اور جوس کے اعتبار سے کِنّو (KINNOW) کا کوئی مقابل نہیں۔ موسم سرما میں یہ پھل بادشاہ کی طرح تمام پھلوں پر فوقیت اختیار کر جاتا ہے۔ ہر عمر کے بچے بڑے کِنّو کے دل بہار جوس سے استفادہ کرتے ہیں اور اس کے ذائقے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سٹرس (Citrus) پھلوں کا بنیادی طور پر تعلق جنوب مشرقی ایشیا سے ہے۔ یہ پودے عموماً 5 سے 15 میٹر بلند چھوٹے درخت یا "SHRUBS" کی صورت میں ہوتے ہیں۔ ان کے پتے گہرے سبز اور سدا بہار ہوتے ہیں۔ جب ان کو پھول لگتے ہیں تو ان کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا معطر ہو جاتی ہے۔ ان پودوں کا پھول 2 سے 4 سینٹی میٹر قطر کا ہوتا ہے۔ جن میں 5 پتیاں (Petals) ہوتی ہیں۔ جن میں خوشبو پیدا کرنے والے غدود پائے جاتے ہیں۔ اپنے موسم میں جب یہ پھول کھلتے ہیں تو اُس علاقے سے گزرنے والے اندھے شخص کو بھی ان کی خوشبو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مقام پر کِنّو لگے ہیں۔

کِنّو کا پھل اپنی جسامت، رنگت اور ذائقے کے اعتبار سے منفرد ہے۔ فروٹ، سنگترہ، مالٹا، گریپ فروٹ، لیموں وغیرہ سے یکسر مختلف دکھائی دیتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے کِنّو کے پھل کو "BERRY" کہا جاتا ہے۔ یہ پھل 4 سے 30 سینٹی میٹر لمبا اور قطر میں 4 سے 20 سینٹی میٹر ہو سکتا ہے۔ اگر کِنّو کو چھیل کر اُس کے چھلکے کو دبایا جائے تو واضح طور پر اُس میں سے بخارات سے اُڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مائع سا دراصل اُڑنے والا تیل ہے، یعنی یہ "VOLATILE OIL" ہے جو چھلکے میں موجود غدود (Glands) خارج کرتے ہیں۔ پھل کے چھلکے کو "PEEL" یا "PERICARP" کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو لوگ کِنّو چھیل کر اُس کے چھلکے کو اِدھر اُدھر اُچھال دیتے ہیں لیکن دنیا میں اس چھلکے کے کئی استعمالات ہیں۔

اس چھلکے کو خشک یا تازہ شکل میں یا پھر نمکیات ملا کر اچاری شکل میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ذائقے کو خوشگوار بنانے اور چھلکے کی کڑواہٹ کو دور کرنے کے لیے اس میں کئی طرح کے ذائقے یا فلیورز (FLavors) شامل کر لیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہی چھلکے پیسٹ (Paste) کی شکل میں پیسٹریوں، گولی و ٹافیوں، کیک، کوکیز (Cookies)، بسکٹ، چاکلیٹ وغیرہ کو تیار اور ذائقہ دینے کے لیے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اب بات اس سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ کِنّو کے چھلکے کو سرکہ، "MARMALADE" وغیرہ میں بھی شامل کیا جاتا ہے۔ کِنّو کے چھلکے سے حاصل ہونے والے لیمن آئل کو کئی طرح کی ڈشیں تیار کرتے وقت خوشبو کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ لیمن آئل یا اورنج آئل اس خاندان کے تمام پھلوں کے چھلکوں میں تھوڑی بہت مقدار میں ضرور پایا جاتا ہے۔



کِنّو (KINNOW) کو پہلی بار 1935ء میں فیصل آباد (لائل پور) میں پنجاب ایگری کلچر کالج اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ماہرین نے متعارف کروایا۔ اس کو برس ہا برس کی تحقیق کے بعد مارکیٹ میں لایا گیا تو اپنی خوشبو، تازگی اور خوش ذائقہ پن کی صلاحیت نے جلد مقبولیت حاصل کرلی۔ اس ''Hybrid'' کو 'CITRUS NOBILIS' اور 'CITRUS DELICIOSA' کے باہمی کراس سے تیار کیا گیا۔ کِنّو کا پھل اپنے اندر 12 سے لے کر 25 تک بیج رکھتا ہے۔ یہ پھل جنوری فروری کے درمیان پک کر تیار ہوجاتا ہے۔ اس کی فطری ترشی کم ہوجاتی ہے اور ذائقے میں مٹھاس بڑھ جاتی ہے۔ (یاد رہے کہ اب ماہرین کی کوششوں سے بغیر بیج والے Seedless کِنّو بھی مارکیٹ میں دستیاب ہیں)

چونکہ اس پھل کی پہچان پاکستان سے ہے۔ اس لیے ہزاروں ٹن کِنّو بیرون ملک بھیجا جاتا ہے اور اس مد میں لاکھوں ڈالرز کمائے جاتے ہیں۔ پاکستان سے یہ پھل درج ذیل ممالک کو ایکسپورٹ ہوتا ہے: بحرین، دوبئی، کویت، اومان، قطر، سعودی عرب، ملائشیا، انڈونیشیا، افغانستان، ہالینڈ، فلپائن، سنگاپور، برطانیہ، ویت نام اور چین۔ پاکستان میں بھی اس پھل کی بڑی کھپت ہے۔ کئی چھوٹی بڑی فیکٹریاں اس پھل کی مدد سے سکواش، جُوس وغیرہ تیار کرکے صارفین کو مہیا کرتی ہیں۔ سیزن سے ہٹ کر اس پھل کو 4 سے 5 ڈگری سینٹی گریڈ پر ذخیرہ کرلیا جاتا ہے۔ سٹوریج میں Humidity 85 سے 90 فیصد تک رکھی جاتی ہے۔ چونکہ یہ پھل زیادہ عرصہ نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے اس کی سٹوریج بڑی اہمیت کی حامل ہے تاکہ پورا سال صنعتی لحاظ سے اس کی دستیابی ممکن ہوسکے۔

پروردگار عالم نے پاکستان کو طرح طرح کے موسم اور طرح طرح کے خطے عطا کر رکھے ہیں۔ جہاں سارا سال پھل، پھول اور سبزیاں اُگائی جاتی ہیں۔ کِنّو کی کاشت کے 95 فیصد علاقے صوبہ پنجاب میں موجود ہیں۔ اس علاقے کا کِنّو جب عالمی منڈی میں فروخت کے لیے پہنچتا ہے تو دیگر ممالک کے CITRUS فروٹ فروخت و پسندیدگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کِنّو کو چھیلنے کے بعد اس کی قاشیں کھانا زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ اس میں ریشے (Dietry Fibers) ہوتے ہیں جو قبض کو رفع کرتے ہیں۔ کِنّو کے جوس میں یہ پھوک نہیں ہوتا اس لیے جوس کے فوائد کم ہوجاتے ہیں۔ کِنّو کا استعمال موٹاپے کو کم کرتا ہے۔ جلد (Skin) کو تازہ رکھتا ہے۔ جھریاں بننے کے عمل کو سست کرتا ہے۔ ہاضمے کو تیز کرتا ہے۔ معدہ اور جگر کے افعال کو متحرک کرتا ہے۔ کِنّو اپنے خاندان کی طرح وٹامن سی کا خزانہ ہے۔ وٹامن سی کو Ascorbic Acid بھی کہتے ہیں۔ یہ سکروی سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ پانی میں حل پذیر ہے۔ یہ وٹامن ''COLLAGEN'' بنانے میں مددگار ہے۔ کولیجن ہمارے جوڑوں، اعضاء، اعصاب، جلد، دانتوں، مسوڑھوں، خون کی نالیوں اور ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ وٹامن زخموں کے مندمل ہونے میں مددگار ہے۔ جسم کے اندرونی توڑ پھوڑ کے نتیجہ میں بافتوں کی مرمت میں بھی یہ وٹامن عطیہ خداوندی ہے۔ کِنّو کا استعمال خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔

کِنّو میں قدرتی شکر، پوٹاشیم، فولیٹ، کیلشیم، تھامین، نیاسن، وٹامن بی 6، فاسفورس، کاپر اور رابٹوفلیون پائے جاتے ہیں۔ اس پھل کے دیگر اجزا میں پینٹوتھینک ایسڈ، سوڈیم وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس میں کولیسٹرول نامی چکنائی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس پھل کی خوبی ہے کہ یہ موٹاپے کو کم کرنے میں مؤثر ہے۔ کِنّو کا پھل بلاشبہ دل بہار ہوتا ہے۔ لیکن، دمہ، نزلہ و زکام اور گلے کے امراض میں اس کا استعمال فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ اس لیے ٹانسلز اور دمہ کے مریضوں کو معالج کے مشورے کے بغیر کِنّو کھانے سے گریز کرنا چاہیے۔

پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ کِنّو جیسا پھل اس کی سرزمین پر وافر کاشت ہوتا ہے اور روز بروز اس کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیق کے دائرے کو وسیع کیا جائے۔ اس کے ذائقے اور اس کی طبی اہمیت پر تحقیقی کام کو بڑھا کر اس پھل کو عالمی منڈی میں پہنچایا جائے۔ کیونکہ اس پھل کی عالمی ڈیمانڈ بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اس کی منڈیوں میں ترسیل پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل یہ پھل عام دستیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے فائدہ اُٹھانے کا یہ مناسب ترین وقت ہے۔



اسلام کے عورت پر احسانات

قاری طارق جاوید عارفی

اسلام کی آمد سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید بلکہ تمدن میں مخل عنصر سمجھ کر میدانِ عمل سے ہٹا دیا تھا اور اسے پستی کے ایسے غار میں پھینک دیا تھا جس کے بعد اس کے ارتقا اور عروج کی کوئی توقع نہ تھی۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بتایا کہ زندگی عورت اور مرد دونوں کی محتاج ہے۔ عورت اس لیے پیدا نہیں کی گئی کہ اسے دھتکار کر شاہراہِ حیات سے کانٹے کی طرح ہٹا دیا جائے۔ بلکہ جس طرح مرد اپنا مقصدِ وجود رکھتا ہے، اسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے۔ قدرت ان دونوں صنفوں کے ذریعے سے مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کرا رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ ''اللہ ہی کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکوں سے نوازتا ہے یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ 42:49,50)

عورتوں کی مستقل حیثیت کا اعلان

قرآن مجید نے عورتوں کی مستقل حیثیت کو باور کرایا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے اپنے منشور کا یوں اعلان کیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً﴾ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔'' (النسآء 1:4) اس آیت میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ مرد و عورت دونوں کی پیدائش ایک ہی جان سے ہے۔ عورت کوئی جداگانہ، الگ مخلوق نہیں ہے۔ وہ بھی انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں۔ دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے۔

حقوق و مراعات کی فراہمی

اسلام نے عورت کو جہاں ذلت و رسوائی کے مقام سے اتنی تیزی سے اٹھایا وہاں بہت سے حقوق و مراعات سے بھی نوازا ہے، یہاں تک کہ وہی لوگ جو کل تک اسے بے حیثیت سمجھتے تھے آج اس کے متعلق بات کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ہم اپنی عورتوں سے گفتگو کرتے اور بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہو جائے۔ جب نبی کریم ﷺ وفات پا گئے تو ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔'' (صحیح البخاري:5187)

جینے کا حق

عہد جاہلیت میں اس مظلوم صنف کو حقِ زیست تک حاصل نہ تھا۔ قرآن مجید نے اسے جینے کا حق دیا اور اعلان کیا کہ اس کے حق پر جو شخص بھی دست درازی کرے گا وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ ارشاد ہوا: ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ



سُئِلَتْo بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ ''اور جب زندہ دفن کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی۔'' (التکویر 9,8:81)

تکریم نسواں کے لیے اعلیٰ تعلیمات

نبی کریم ﷺ نے اس مظلوم صنف کی حمایت میں جو ہدایت اور تعلیمات دی ہیں، آج تک حقوقِ نسواں کی مدعی اور علمبردار کوئی بھی تنظیم، پارٹی اور این جی اوان سے زیادہ صحیح اور حقیقی تعلیمات پیش نہیں کرسکی۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ» ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کردیا ہے ماؤں کو ستانا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور خود کچھ نہ دینا اور دوسروں سے مانگتے رہنا۔'' (صحيح البخاري: 5975)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انھیں (حسنِ معاشرت کا) ادب سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ احسان و نیکی کا معاملہ کرتا رہا، اس کے لیے جنت ہے۔'' (سنن أبي داود: 5147) صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی بیٹیوں کے ذریعے سے آزمائش کی گئی اور اس نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تو وہ اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔'' (صحيح البخاري: 5995) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور وہ اس طرح جنت میں داخل ہوں گے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «بَابَانِ مُعَجَّلَانِ عُقُوبَتُهُمَا فِي الدُّنْيَا الْبَغْيُ وَالْعُقُوقُ» ''دو راستے (دروازے) ایسے ہیں جن سے دنیا میں بہت جلد عذاب داخل ہوتا ہے: ظلم و زیادتی اور نافرمانی۔'' (السلسلة الصحيحة: 1120) اس حدیث کے آخری جملے میں نبی کریم ﷺ نے ایک بہت ہی اونچی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ظلم کی عمر ویسے بھی بہت مختصر ہوتی ہے لیکن خاص کر ظلم کے وہ تیر جن کے ہدف اپنے ہی جگر گوشے ہوں، مظلوم کے سینے میں پیوست ہونے سے پہلے ہی ظالم کی مہلتِ حیات ختم کردیتے ہیں۔

عورت محبوب ترین ہستی

دنیا نے عورت کو معصیت کا منبع، مجسم پاپ اور گناہ باور کرا رکھا تھا، لیکن کائنات کی اس برگزیدہ ہستی نے فرمایا جس کی ہر حرکت و ادا صحیفۂ اخلاق تھی۔ جس نے دنیا کو تقویٰ اور خدا ترسی کے آداب سکھائے، جو آیا ہی اس لیے تھا کہ معصیت و فحاشی کی کائنات کو تہ و بالا کردے۔ ارشاد ہوا: «حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ» ''دنیا کی چیزوں میں مجھے عورتیں اور خوشبو پسند ہیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔'' (سنن النسائی: 3391)

مطلب یہ کہ عورتوں سے نفرت اور طہارت و پاکیزگی سے بیزاری خدا ترسی کی دلیل نہیں ہے۔ خدا ترسی تو تعلق باللہ کی مضبوطی، اللہ کی طرف رجوع اور اس کے خوف و خشیت کا نام ہے۔ آدمی عورت سے پسندیدہ تعلق رکھنے اور باذوق رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محبوب بن سکتا ہے بلکہ اس کی رضاجوئی کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ ازواج مطہرات اونٹوں پر سفر کررہی تھیں کہ آپ ﷺ نے شتربان سے فرمایا: «يَا أَنْجَشَةُ! رُوَيْدَكَ سَوْقًا بِالْقَوَارِيرِ» ''انجشہ! شیشوں کو ذرا سنبھال کے لے چلو۔'' (صحيح البخاري: 6149) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي، يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا، وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا» ''بلاشبہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ جو چیز اسے پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو چیز اسے تکلیف دے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔'' (صحيح البخاري: 5230، وصحيح مسلم: 2449) سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے ذات السلاسل کے لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اللہ کے رسول! «أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟» ''آپ کی محبوب ترین شخصیت کون ہے؟'' فرمایا: ''عائشہ (رضی اللہ عنہا)۔'' (جامع الترمذي: 3885) بیویوں میں سیدہ عائشہ اور اولاد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی منظورِ نظر تھیں۔ ان احادیث سے آپ صنفِ نسواں



کے بارے میں اسلام کے رجحان اور مزاج کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے پیروکاروں کے اندر اس صنف کے حق میں کس قسم کے جذبات کی پرورش کرتا ہے۔

صنفِ نسواں کی چارہ گری سرمایۂ حیات

صنفِ نسواں کے متعلق اسلام کی حکیمانہ تعلیمات نے ان لوگوں میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ وہ اس کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لیے سرمایۂ حیات تصور کرنے لگے۔ جن کے ہاں اپنے ہی جگرگوشوں کو اماں نہیں تھی، وہ دوسروں کی اولاد کے محافظ ونگراں بن گئے۔ جو عورت کے ساتھ مہر والفت کی پرورش سے ناآشنا تھے انھیں اپنے آخری لمحاتِ حیات میں اس مظلوم طبقہ کی فکر دامن گیر رہنے لگی۔

جنگِ اُحد کے موقع پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے انھیں وصیت کی کہ بیٹا! شاید اس پیش آمدہ معرکے میں میں اگلے جہاں سدھار جاؤں، چنانچہ میں تمھیں اپنی بیٹیوں کے متعلق خیراندیشی کی وصیت کرتا ہوں۔ (المستدرك للحاكم: 203/4) اس وصیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بھرپور جوانی کے باوجود اپنی بہنوں کی نگہداشت کے خیال سے ایک بیوہ کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے دریافت کیا کہ کسی کنواری سے شادی کیوں نہ کی؟ تو انھوں نے جواب دیا: «يَارَسُولَ اللّٰه! إِنَّ أَبِي قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَّتَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ كُنَّ لِي تِسْعَ أَخَوَاتٍ فَكَرِهْتُ أَنْ اَجْمَعَ إِلَيْهِنَّ جَارِيَةً خَرْقَاءَ مِثْلَهُنَّ وَلٰكِنِ امْرَأَةً تَمْشُطُهُنَّ وَتَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: أَصَبْتَ» ''اللہ کے رسول! میرے والد معرکۂ اُحد میں شہید ہوچکے ہیں اور اپنے پیچھے نو بیٹیاں چھوڑ گئے ہیں جو میری نو بہنیں ہوئیں۔ ان کی نگہداشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کے ساتھ انھی جیسی ایک ناتجربہ کار لڑکی کو جمع کردوں، اس لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا ہے جو ان کی کنگھی چوٹی اور دیکھ بھال کرسکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کیا۔'' (صحيح البخاري: 4052)

غور کیجیے ایک نوجوان جس کے سینے میں جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ جس کی نوخیز جوانی اپنے مطالبات اور تقاضوں پر شدت سے اصرار کررہی ہو، وہ اپنی بہنوں کی خاطر اپنے جذبات کے الاؤ پر پانی چھڑک دیتا ہے اور اپنی خواہش کی آسودگی کا ایسا حل تلاش کرتا ہے جسے جوانی کی سرمستیاں آسانی سے قبول نہیں کرسکتیں۔ کیا یہ کوئی معمولی ایثار ہے!

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدۂ صلح سے فارغ ہوکر مدینہ کی طرف چلنے لگے تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا جان! چچا جان! کی صدائیں دیتی لشکر اسلام کے پیچھے بھاگنے لگی۔ اس پر وہاں عجیب ہی منظر پیدا ہوگیا۔ اس بچی کی کفالت کے تین دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا علی، ان کے بھائی جعفر اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ یہ میری چچازاد ہے، لہٰذا پرورش کا حق میرا ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس کی نگہداشت کا زیادہ مستحق میں ہوں کیونکہ وہ میری چچازاد ہونے کے ساتھ میری اہلیہ کی بھانجی بھی ہے۔ اس طرح دو جہت سے مجھے اس کی پرورش کی سعادت ملنی چاہیے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ مؤاخات کے نتیجے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے بھائی بنے تھے، اس لحاظ سے یہ لڑکی میری بھتیجی بنتی ہے اور چچا سے زیادہ بھتیجی کا حق کسے پہنچتا ہے؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا کیونکہ ان کی اہلیہ اس لڑکی کی سگی خالہ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کی جگہ پر ہے۔'' (صحيح البخاري: 2699)

معزز قارئین! فکر ونظر کے اس عظیم انقلاب کی مثال کسی اور ملت یا تاریخ کے کسی دوسرے دَور میں بھی ملتی ہے!

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ
وَلَقَدْ أَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ

میراث میں مقررہ حصہ

عورتیں جواب تک میراث سے محروم تھیں، اسلام نے آکر ان کو میراث کا حق دار ٹھہرایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے



برابر ہے، پھر اگر دو سے زیادہ عورتیں (ہی) ہوں تو ان کے لیے اس کا دو تہائی ہے جو اس (میت) نے چھوڑا ہے۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔'' (النسآء 11:4)

غور کیجیے! اسلام نے صرف عورتوں کو میراث کا حق دار ہی نہیں بنایا بلکہ انھیں مردوں کے حصے کے لیے پیمانہ اور محور بھی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان «لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ» کو دیکھیے کہ لڑکے کے حصے لیے محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ لڑکے کے حصے کے لیے پیمانہ لڑکی کا حصہ بن رہا ہے کہ لڑکے کے حصے کا پیمانہ یہ ہے کہ اسے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا جائے۔ عورت کسی بھی قالب میں ہو: ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی ہو محض عورت ہونے کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں ہو سکتی۔ ماں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ''میت کے ترکہ میں اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے اور اگر میت کے بھائی ہوں تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔'' (النسآء 11:4)

عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا، ماں ہونے کی حیثیت سے بھی حق دار ٹھہری۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ بیوی بن کر بھی وہ وراثت سے محروم نہیں رہی: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ﴾ ''اور ان (بیویوں) کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے اس میں سے آٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ، یا قرض (کے بعد)۔'' (النسآء 12:4) بہن کے حصے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ کیجیے: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ، فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ﴾ ''وہ آپ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مرجائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے چھوڑا اور وہ (خود) اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے اس میں سے دو تہائی ہے جو اس نے چھوڑا۔'' (النسآء 176:4)

معزز قارئین! اسلام نے عورت پر جو احسانات کیے اور تکریم نسواں کے لیے جو اصول وضوابط وضع فرمائے ہیں ان کی چند روشن مثالیں مشتے نمونہ از خروارے پیش کی ہیں، وگرنہ ساری اسلامی تعلیمات تعظیم نسواں ہی کے گرد گھومتی ہیں۔ اسلام کی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس سے توہینِ نسواں کا ادنیٰ سا شبہ بھی ہوتا ہو۔ اسلام کے عورت کے متعلق ایسے لازوال اور بے مثال کردار کے باوجود بعض جھوٹی اور خلاف واقعہ باتوں کو بنیاد بنا کر مغرب کی پروردہ بعض این جی اوز اور تنظیمیں ''خدمتِ نسواں'' کے پرچم تلے دن رات اسلام اور اہل اسلام کی کردار کشی میں مصروف ہیں۔ ہماری بعض بھولی بھالی خواتین بھی ایسی تنظیموں کے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہو کر ان کے دام سحر میں آجاتی ہیں۔ جب ہوش آتا ہے تب سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان بہنوں کو اسلامی تعلیمات کی ممنون ومشکور رہنے کے ساتھ ایسی سنگدل صیاد این جی اوز سے بھی خبردار رہنا چاہیے۔ آج یہ تنظیمیں حقوقِ نسواں کا راگ الاپ رہی ہیں جبکہ انھی کی مذہبی کتابیں اور دھرم توہینِ نسواں سے بھرے پڑے ہیں۔ عیسائی، یہودی، یونانی اور ہندومت، ان میں سے کون ہے جس نے عورت کی توہین میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو۔ کیا یہودیوں کی کتابِ مقدس میں آج بھی یہ جملہ مرقوم نہیں ہے کہ ''عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔'' عورت کی اس سے بڑی توہین کیا ہوگی۔ ایک مسیحی امام ''کرائی سوسٹم'' عورت کے حق میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیتا ہے: ''(عورت) ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔'' (پردہ از مودودی، ص: 12)

ہندوؤں کا قانون کہتا ہے کہ ''تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے

کوئی اس قدر خراب نہیں جس قدر عورت۔''
(ستیارتھ پرکاش، ص:152,151)

یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔'' (تمدن عرب، ص:372)

حقوق نسواں کے ٹھیکیدار بعض ممالک کے ادب کا آپ مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آپ پر آشکارا ہوجائے گی کہ ان لوگوں میں عورتوں کی تحقیر پر مبنی بعض ضرب المثل تا حال عام رائج ہیں۔ مثلاً: روسی ضرب المثل ہے: ''دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔'' اطالیوں کا مقولہ ہے: ''گھوڑا اچھا ہو یا برا، اسے مہمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہوتی ہے۔'' سپینش ضرب المثل ہے: ''بری عورت سے بچنا چاہیے، مگر اچھی صورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔'' (تمدن عرب، ص:373)

ان اقتباسات کو نقل کرنے کی زحمت اس لیے برداشت کی گئی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ عورتوں کی تکریم و ناموس اور خود ان کی ذات کے متعلق ان مذاہب کی تحقیق کیا ہے۔ جب ان مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسموم اور مذموم ہیں تو ان کے ماننے والے کس قدر زہریلے اور بچھو ہوں گے۔ ایسی تعلیمات کے امین حقوق نسواں کے پاسبان کا روپ دھار لیں تو اسے ہی تو کہتے ہیں:

بغل میں چھری منہ میں رام رام

اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بہنوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!



آپ کے تأثرات

ایڈیٹر

جناب ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد از خیر وعافیت

آپ کا شمارہ نمبر11 نومبر2013ء نظر سے گزرا۔ مضامین اور مواد کے لحاظ سے بہت پسند آیا۔ ضیائے حدیث کی ایک اپنی منفرد حیثیت ہے جس کا دیگر رسائل میں بھی پایا جانا چاہیے۔ بادلائل اور معلوماتی آرٹیکلز موجودہ دور میں عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ خصوصاً لادینی قوتوں کی دلفریبیاں اور اخلاق سوز تگ و دو کو سٹاپ (Stop) کرنے کے لیے ہر کہتر و مہتر کو اس ماہنامہ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ضیائے حدیث کے صفحہ نمبر 69 پر خصوصی رعایت کا اشارہ بھی دیا گیا ہے۔ محترم حافظ عبدالوحید سوہدروی صاحب ماشاء اللہ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فارغ التحصیل ہونے والے میرے ساتھی ہیں۔ ان کی فیاضی سے عمرہ اور حج کی سعادت بھی حاصل ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب جیسی منیر، فیاض اور مخلص شخصیت کی عمر دراز فرمائے اور ان کو مزید دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حافظ صاحب ماشاء اللہ بہت مخلص دوست، بااخلاق ساتھی، صاحب کردار اور تعمیری سوچ رکھنے والے ہیں۔ اگر ان کو میرا اسلام پہنچ جائے تو آپ کی مہربانی ہوگی۔

والسلام..... پروفیسر محمد عبداللہ کلیم ایم۔اے، ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کامرس کالج اوکاڑہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گرامی قدر فضیلۃ الشیخ جناب محمد نعمان فاروقی صاحب حفظك اللّٰه!

امید واثق ہے کہ آپ خداوند عالی کی توفیق خاص سے خیر وعافیت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو خوش وخرم رکھے اور تاحیات آپ کو دین حنیف کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا خاتمہ بالایمان فرمائے۔ آمین ثم آمین

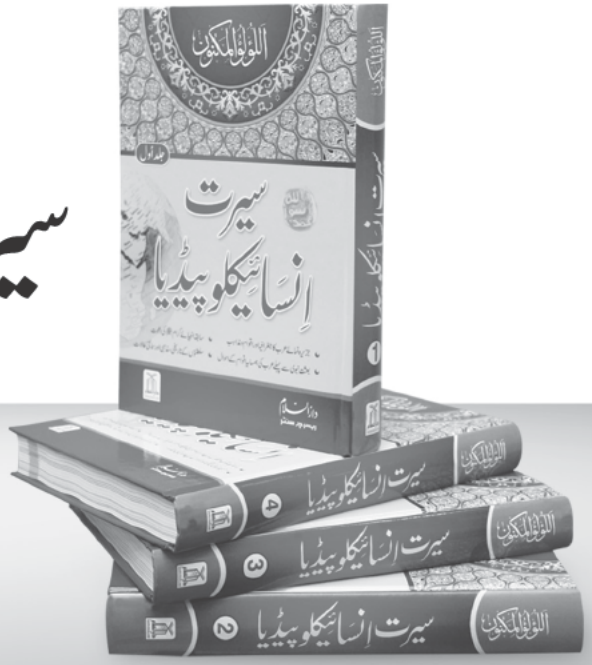
جناب من! بندہ ناچیز ایک مسجد میں امام وخطیب ہے، دینی کتب ومطالعہ کا الحمدللہ ذوق بھی ہے اور تقریباً واسطہ بھی رہتا ہے لیکن اخراجات زیادہ ہیں، مہنگائی بھی زیادہ ہے اور آمدن کم ہے جس کی وجہ سے بندہ دینی کتب خریدنے سے قاصر ہے۔ آپ کے مضامین اکثر پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ الحمدللہ دینی معلومات اور خصوصاً دروس وخطبات جمعہ کی تیاری میں مدد ملتی ہے اور الحمدللہ پہلے سے کافی بہتر سلسلہ چل رہا ہے۔ آپ سے انتہائی ادب سے گزارش ہے کہ اپنی کتب، ضیائے حدیث کے پرانے رسالے وغیرہ یا پمفلٹ یا دارالسلام کی کتب وغیرہ یا کم از کم اپنے شائع شدہ مضامین کی فوٹو کاپی بندہ ناچیز کو درج ذیل ایڈریس پر فی سبیل اللہ ارسال فرمائیں۔ تاکہ بندہ کو اپنے دروس وخطبات میں آسانی ہو اور آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ جزاك اللّٰه خيراً

حافظ عرفان الٰہی، امام وخطیب جامع مسجد توحید الاسلام اہلحدیث آف میرکوٹ چونیاں ضلع قصور

کتبِ سیرت میں شاہکار اضافہ

سیرت انسائیکلو پیڈیا

(گیارہ جلدوں میں)



اشراف: عبدالمالک مجاہد

اعداد: دارالسلام ریسرچ سنٹر

قرآن کریم میں جس اشرف و اعظم ہستی کے نام، کام، مقام، آواز، انداز اور امتیاز کی پوری جلوہ گری ملتی ہے وہ صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ تنہا آپ ہی وہ مینارۂ نور ہیں جس سے ہر انسان اپنی ہر تشنگی کی سیرابی، ہر درد کی دوا، ہر زخم کا مرہم، ہر مشکل کا حل اور ہر سوال کا جواب پاسکتا ہے اور زندگی کے ہر گوشے کے لیے رہنمائی کا اُجالا حاصل کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہی وہ ابدی اور آفاقی مقام رفیع ہے جس کے پیش نظر اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے منصبِ جلیلہ پر فائز کردیا۔

حق یہ ہے کہ تن تنہا آپ ﷺ ہی پوری عالمی تاریخ کے وہ جامع الصفات، جامع الجہات، اور جامع الحسنات لیڈر ہیں جن کا کوئی ثانی نہیں۔ چونکہ آپ ﷺ قیامت تک کے ہر انسان کے لیے اُسوۂ حسنہ ہیں اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہٹ کر کہیں اور سے صحیح رہنمائی ملنے کا کوئی امکان نہیں، اس لیے قادر مطلق نے ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾

احمد کامران، ریسرچ فیلو دارالسلام

کا اعلان کردیا اور آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات عالیہ کی حفاظت کا خود بندوبست فرما دیا۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی سیرت کے جلوے سمو دیے۔ اور قرآن کریم کو بے شمار حفاظِ کرام کے سینوں میں ثبت کر دیا۔ چنانچہ صرف قرآن ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ آپ ﷺ کا منصب و مرتبہ کیا ہے۔ آپ کی بے مثل خوبیاں کیسی تھیں، آپ کے اخلاق و آداب کیسے تھے۔ آپ کتنے سچے اور کس قدر امانت دار تھے۔ آپ کا لباس کیسا تھا، آپ کن لوگوں میں آئے، کس بستی میں آئے۔ آپ ﷺ کے شام و سحر کن کاموں میں بسر ہوتے تھے؟ آپ ﷺ کے پیروکاروں کی خصوصیات کیا تھیں، آپ کی محترم بیویاں کتنی بلند پایہ تھیں اور ان کی سیرت کس قدر پاکیزہ تھی، آپ ﷺ کے دشمن کون لوگ تھے؟ انھوں نے آپ ﷺ پر کیسی کیسی جنگیں مسلط کیں؟ اور ان کا انجام کیا ہوا؟ جب آپ مبعوث ہوئے تو یہ دنیا کیسی تھی اور جب آپ نے اس دنیا پر آخری نگاہ ڈالی تو یہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔

قرآن میں آپ ﷺ کے جامع ذکر جمیل کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت و شخصیت کی ہر ادا محفوظ کرنے کے لیے محدثین کرام کی جماعت پیدا کردی۔ محدثِ اعظم سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک محدثین



کی مقدس جماعت آپ ﷺ ہی کے ارشادات، نظریات، ملفوظات اور تعلیمات بیان کر رہی ہے۔ محدثین کرام کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایسے محقق مؤرخین بھی پیدا فرما دیے جنھوں نے آپ ﷺ کی مبارک سیرت کے مطالعے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ اور سیرت نگاری کے لیے شب و روز نہایت محنت سے کام کیا۔

رسالت مآب ﷺ کی سیرت کے گوہر و الماس کی تلاش میں نکلنے والے سیرت نگاروں کے اسی قافلے میں دارالسلام کے مدیرِ مکرم مولانا عبدالمالک مجاہد بھی شامل ہیں۔ وہ سیرت طیبہ کے شیدائی ہیں۔ انھیں بچپن ہی سے سیرت کے مطالعے کی دُھن ہے۔ نگر نگر گھومتے ہیں، جہاں بھی سیرت کی کسی کتاب کی مہک پاتے ہیں اُسے دیدۂ شوق سے پڑھے بغیر انھیں چین نہیں آتا۔ دورانِ مطالعہ محدثین اور مؤرخین کی مقدس جماعت ان کے حافظے میں جھلملاتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ غزوۂ بدر کا باب پڑھ رہے ہیں۔ پڑھتے پڑھتے وہ اچانک چونک اُٹھتے ہیں کہ فلاں محدث یا مؤرخ نے تو یہ بات مختصر سی لکھی ہے جبکہ فلاں صاحبِ قلم نے یہی بات تفصیل سے بیان کی ہے اور فلاں فلاں حوالے دیے ہیں۔ اس طرح واقعہ کے تنوع اور رنگا رنگی سے وہ بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اور قارئین کو بھی شریکِ مسرت کرنے کے متمنی رہتے ہیں۔

اسی طریقِ مطالعہ کے زیر اثر ان کے دل میں اس ارمان نے کروٹ لی کہ دارالسلام ایک ایسا جامع و مانع اور رفیع و وقیع ارمغانِ سیرت پیش کرے جس میں محسنِ انسانیت سیدنا محمد ﷺ کے تمام حالاتِ زندگی اجمال و تفصیل کے تمام اسالیب کے ساتھ جلوہ نما ہو جائیں۔ اور عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت کی تصویر پوری طرح تمام خد و خال سمیت سب کے سامنے آجائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے خود بھی اُردو نیوز جدہ میں سینکڑوں کی تعداد میں بہت پاکیزہ کالم لکھے۔ پھر وہ پیش نظر منفرد و مستند 'سیرت انسائیکلوپیڈیا' کی تیاری کے لیے شام گئے۔ وہاں کے جید علمائے کرام سے ملاقاتیں کیں، اپنی کہی، اُن کی سُنی۔ سیرت پر کام کے رہنما اصول بتائے اور انھیں سیرت انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کا کام سونپ آئے۔ کچھ عرصے بعد اُن کے کام کا جائزہ لیا تو اُسے اپنے پیش نظر معیار کے مطابق نہ پایا۔ تاہم وہ مایوس ہوئے نہ ملول، ان کے عزم و ہمت نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ مصر پہنچے، وہاں کے نامور علماء سے ملے۔ اور یہ پراجیکٹ ان کے حوالے کر دیا۔ افسوس! ان کی کارکردگی بھی تسلی بخش نہ نکلی۔ مجاہد صاحب نے اِس صورتحال پر عظیم سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ سے طویل مذاکرات کیے۔ پھر لاہور آئے اور اپنے قابل ترین معاون حافظ عبدالعظیم اسد سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔ حافظ صاحب نے دارالسلام لاہور میں جید علماء پر مشتمل سیرت انسائیکلو پیڈیا سیکشن قائم کر دیا۔ مجاہد صاحب نے اِس سیکشن کے کام کا تنقیدی جائزہ لیا تو بہت خوش ہوئے۔ الحمدللہ! یہ کام ان کے معیار مطلوب کے مطابق ثابت ہوا۔ بس اُس وقت سے اب تک محترم مجاہد صاحب کی نگرانی میں سیرت طیبہ پر شام و سحر نہایت قیمتی تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ سیرت انسائیکلو پیڈیا سیکشن کے انچارج مولانا محمد ابراہیم طاہر کیلانی اور ان کے رفقائے کرام مولانا محمد اجمل بھٹی، حافظ عبداللہ ناصر اور مولانا سیف اللہ صاحب قرآن و حدیث کے علاوہ اصل عربی مصادر کی روشنی میں تحریری اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ جناب محسن فارانی تاریخی حوالے دیکھ رہے ہیں، مختلف شخصیات کے شجرہ ہائے نسب اور اہم واقعات و مقامات کے جدید ترین رنگین نقشے تیار کر رہے ہیں۔ یہ نقشے قدیم ترین زمینی حقائق کی ایسی معنوی عکاسی کرتے ہیں کہ ماضی، ماضی نہیں رہتا بلکہ مُبدل بہ حال ہو کر ہماری نگاہوں کے آس پاس ہی جگمگانے لگتا ہے۔ جب ایک جلد مکمل ہو جاتی ہے تو اس پر مولانا ارشاد الحق اثری، پروفیسر محمد یحییٰ اور مولانا خالد سیف صاحب نظرثانی کرتے ہیں، اسے نقد و نظر کے ترازو میں تولتے ہیں اور گرانمایہ علمی مشوروں سے نوازتے ہیں۔

گیارہ جلدوں پر مشتمل "سیرت انسائیکلو پیڈیا" دارالسلام کی شاہکار پیشکش ہے



اسلوب بیان عام فہم، سادہ و دلکش ہے اوسط درجے کا تعلیم یافتہ فرد بھی اسے با آسانی پڑھ اور سمجھ سکتا ہے

یوں سیرتِ مقدسہ کے مسودات تکمیل کے مراحل میں پہنچتے ہیں۔

اس انسائیکلوپیڈیا میں یہ حقیقت وضاحت سے بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری، ابدی اور آفاقی رسول تھے۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ساری دنیا کو توحید کا پیغام دیا۔ سب انسانوں سے سچائی اور سخاوت کا برتاؤ کیا۔ ذات پات کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ سب انسانوں کو مساوی ٹھہرایا۔ مال و دولت، رنگ و نسل، لسانی یا علاقائی نسبت کی بنیاد پر کسی کا کوئی تفوق تسلیم نہیں کیا۔ سب کے لیے عزت و احترام کا واحد معیار ''تقویٰ'' قرار دیا۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ جو شخص جتنا زیادہ متقی، صاحبِ علم اور دیانت دار ہوگا وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی مکرم و معظم قرار پائے گا۔

اس عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا میں جس نہج پر کام ہوا اور ہو رہا ہے اس کے چند نمایاں پہلو یہ ہیں جو اسے اب تک کی سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی دیگر تمام کتابوں سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ اس لیے یہ آج تک کے پورے اُردو ادب میں اپنی نوعیت کا پہلا روشن ترین یگانہ کارنامہ ہے۔

اس انسائیکلوپیڈیا کی ایک اہم خوبی اِس کی نہایت معتبر استنادی حیثیت ہے۔ اس کی ایک ایک سطر مستند ہے اور پوری چھان بین کے بعد لکھی گئی ہے۔ ہر تقریب، ہر مہم، ہر معرکے، ہر سریے ہر غزوے اور ہر واقعے کی تفصیلات خوب چھان پھٹک کر درج کی گئی ہیں اور ان کے حوالے تحتانی حاشیوں میں درج کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ توضیحی حواشی الگ دیے گئے ہیں۔

اس انسائیکلوپیڈیا کی اولین جلد میں خاصے کی چیز اس کا عالمانہ مقدمہ ہے جو فاضل اجل پروفیسر محترم محمد یحییٰ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا درحقیقت قرآن کریم، احادیث مقدسہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و افکار اور مستند کتب تاریخ سے ماخوذ ہے۔ کلام الٰہی، احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سیرت مطہرہ کا جو واقعہ جس شکل میں ملا، اُسے ٹھیک اُسی شکل و صورت میں پیش کر دیا گیا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر متلاشیٔ حق انسان خصوصاً ہر مسلمان کے لیے اس کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اس میں درجہ بدرجہ ہر دور کے سیرت نگار حضرات کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور بعض کور بصر مستشرقین نے رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جو غلط اور بے بنیاد باتیں کی ہیں ان کا پوری طرح علمی محاسبہ کر کے انھیں جامع و مانع مسکت جواب دیا گیا ہے۔

یہ سیرت رسول ﷺ کا اجمل و اکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کا آغاز جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی پس منظر سے کیا گیا ہے۔ اس میں یہ حقیقت اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے دعوت اسلام کے لیے خطۂ عرب کو چُنا جو تمدن کے تکلفات سے پاک اور سخت جان صحرا نوردوں کا وطن تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی سرزمین کے تپتے ہوئے صحراؤں میں توحید کی آواز اس انداز اور امتیاز کے ساتھ بلند کی کہ ساری دنیا میں کلمہ حق گونج اُٹھا اور تمام ہم عصر طاغوتی طاقتیں سرنگوں ہوگئیں۔ اس انسائیکلو پیڈیا میں سیدالبشر ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری سانس تک کے تمام واقعات، حالات اور حوادث پوری جزئیات سمیت اس اسلوب سے سامنے لائے گئے ہیں کہ قاری رسالت مآب ﷺ کی زبردست قوت عمل دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ وہ صاف محسوس کر لیتا ہے کہ دعوتِ اسلام کی آواز بلند کرنے کے بعد رسالت مآب ﷺ کو صلح حدیبیہ تک ایک لمحہ

کتابت و طباعت اتنی عمدہ ہے کہ اسے یورپ و امریکہ کی اچھی سے اچھی مطبوعات کے مقابلے میں فخر و اعتماد سے رکھا جاسکتا ہے



بھی آرام کا سانس لینے کا موقع نہیں ملا۔ صلح حدیبیہ کے بعد دعوت اسلام ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی اور کلمہ توحید کی صدا قیصر و کسریٰ کے ایوانوں تک جا پہنچی۔

ایک پوری جلد صرف غیر مسلموں کی گواہی پر مبنی ہے

اس انسائیکلو پیڈیا کی ایک پوری جلد صرف غیر مسلموں کی گواہی پر مبنی ہے، اس میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے علاوہ زبور، تورات اور انجیل کے اقتباسات تمام حوالوں سمیت درج کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت تمام سابق پیغمبر بہت واضح لفظوں میں دے کر گئے تھے۔

پورے انسائیکلو پیڈیا کا اسلوب بیان عام فہم، سادہ اور دلکش ہے۔ اوسط درجے کا تعلیم یافتہ فرد بھی اسے آسانی سے پڑھ سکتا ہے اور بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

تمام اہم واقعات، غزوات اور سرایا کی اہمیت وحقیقت اُجاگر کرنے کے لیے جدید ترین رنگین نقشے دیے گئے ہیں۔ تمام اہم اور قابل ذکر مقامات کی حسین و رنگین نادر تصویروں نے اِس انسائیکلو پیڈیا کی افادیت میں بے پایاں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک منفرد وصف یہ ہے کہ اس انسائیکلو پیڈیا میں جہاں جہاں قرآنی آیاتِ سیرت درج کی گئی ہیں اُن کی ایک خاص شان ہے۔ یہ خط نسخ وثلث کی دلنشیں خطاطی کا اتنا حسین نمونہ ہیں جن کی کوئی مثال موجود نہیں۔ مزید برآں یہ تمام آیات رنگین پیرائے میں درج کی گئی ہیں۔ ہر باب کے سرآغاز نہایت دلکش خطاطی میں قرآن کریم کی متعلقہ کلیدی آیتِ سیرت سجائی گئی ہے۔ آیات، احادیث اور اشعار کو جداگانہ طور پر نمایاں کرنے کے لیے مختلف رنگوں میں پیش کیا گیا ہے۔

اِس انسائیکلو پیڈیا کی برقی کتابت بہت روشن اور طباعت نہایت خوبصورت ہے۔ کاغذ بڑا نفیس اور دبیز ہے۔ جلد بھی بڑی دلکش اور مضبوط ہے۔ اسے یورپ اور امریکہ کی اچھی سے اچھی مطبوعات کے مقابلے میں بھی پورے فخر اور اعتماد کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے۔

اِس منفرد سیرت انسائیکلو پیڈیا کی کُل گیارہ جلدیں ہیں۔ جن میں سے سات جلدیں چھپ چکی ہیں۔ گیارہویں جلد اشاریے پر مشتمل ہوگی۔ ہر جلد میں شروع کیے گئے عنوان کے تحت مضامین پوری طرح مکمل کیے گئے ہیں تاکہ اس موضوع سے متعلقہ کسی ضرورت کے لیے قاری دوسری جلد کا محتاج نہ ہو۔ اس کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی نبی ﷺ کا تذکرہ صرف سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں دیکھنا چاہے وہ دوسری جلد دیکھ لے۔ جو صرف عرب کے جغرافیہ اور تاریخ کی معرفت حاصل کرنا چاہے وہ پہلی جلد پڑھ لے۔ اسی طرح دیگر عنوانات بھی جدا جدا جلدوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔

پہلی جلد میں جزیرہ نمائے عرب کی پوری تاریخ، مکمل جغرافیہ اور ہمسایہ سلطنتوں کے احوال درج کر کے دعوتِ اسلام کے آغاز کا مکمل پس منظر پیش کیا گیا ہے۔

دوسری جلد میں خاتم الانبیاء کی حیثیت سے حضرت محمد ﷺ کے ظہور مبارک کی وہ تمام بشارتیں پورے حوالوں سمیت درج کی گئی ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے علاوہ ہندوؤں اور پارسیوں کی مقدس کتابوں میں دی گئی تھیں۔

ایک خصوصی باب میں سیدنا محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں جو قرآنی آیات درج کی گئی ہیں وہیں ان آیاتِ مقدسہ کی تصدیق و تائید کرنے والی وہ عبارتیں بھی بالمقابل لکھ دی گئی ہیں جو بائبل میں آئی ہیں۔

تیسری جلد بعثتِ نبوی کے موضوع پر تمام جزئیات و تفصیلات کی آئینہ دار ہے۔ اسی طرح ہر جلد آپ کی رحلت تک کے تمام حالات، واقعات و مراحل پر جداگانہ موضوعات کی شکل میں منقسم ہے جو بجائے خود ایک مکمل علمی وتحقیقی شہ پارہ ہے۔ چوتھی جلد ہجرت مدینہ اور مؤاخات مدینہ، پانچویں جلد میثاق مدینہ اور ریاست اسلامیہ کی داغ بیل کے علاوہ غزوۂ بدر کے احوال پر مشتمل ہے۔

آیاتِ سیرت، احادیث اور اشعار کو جداگانہ طور پر نمایاں کرنے کے لیے مختلف رنگوں میں پیش کیا گیا ہے



چھٹی جلد میں غزوۂ احد اور یہود مدینہ کا کردار اور ساتویں جلد میں غزوۂ خندق، غزوۂ بنو قریظہ اور واقعہ افک کا مفصل تذکرہ ہے۔ اسی تسلسل زمانی سے آٹھویں جلد میں غزوۂ حدیبیہ، شاہان عالم کے نام خطوط مبارک کے علاوہ غزوۂ خیبر کے تمام واقعات درج ہیں۔

ظہور مبارک سے لے کر رحلت تک حُسنِ رسالت مآب ﷺ کا جو عکس بھی دیکھنا مطلوب ہو وہ اس انسائیکلو پیڈیا میں پوری طرح جلوہ نُما ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور تفہیم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ یہ انسائیکلو پیڈیا درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا ایسا شفاف آئینہ ہے جسے دیکھ کر ہر مسلمان اپنی زندگی کے خدوخال سنوار سکتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کا گھر اِس انسائیکلو پیڈیا سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔ اسے جو بھی پڑھے گا ان شاء اللہ اُسے اس کی برکتیں فوراً نظر آنے لگیں گی۔ یہ انسائیکلو پیڈیا علم کا آفتاب، تاریخ کی متاع، مہذب زندگی کے اسباق کا مرقع، نیکی کا معلم اور شیطان کے حق میں مجسم **لاحول** ہے۔ لہٰذا اسے سب پڑھیں۔ پوری توجہ، محبت اور احترام سے پڑھیں۔ باپ اس لیے پڑھیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عظیم والد کیسے تھے۔ بیٹیاں اور بیٹے اس لیے پڑھیں کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا کیسے تھے۔ شوہر اس لیے پڑھیں کہ ازواج مطہرات کا مقدس خاوند خانگی زندگی میں بھی کتنا مہذب اور مہربان تھا۔ بیگمات اس لیے پڑھیں کہ وہ عالی مقام شوہر کتنے بلند کردار کا حامل تھا جس نے اپنی پاکیزہ بیویوں کو یہ حکم دے دیا کہ میری گھریلو زندگی کھول کھول کر بیان کرو۔ طالب علم اس لیے پڑھیں کہ غار حرا کا مقدس مکین اپنے رب کی وحی کتنے ادب و اشتیاق سے وصول کرتا تھا۔ ٹیچر اور پروفیسر صاحبان اس لیے پڑھیں کہ اصحاب صُفہ کا شفیق معلم کیسا تھا۔ سیاستدان اس لیے پڑھیں کہ اولین اسلامی ریاستِ مدینہ کا بانی اقلیتوں کے مسائل کتنی خوش اسلوبی سے حل کرتا تھا۔ اور اکثریت کے مسائل حل کرنے کے لیے اس نے مواخات کا کیسا زبردست نظام قائم کیا۔ علمائے کرام اس لیے پڑھیں کہ پوری ملتِ آدم کا امام دینی مسائل کتنے شگفتہ اور سہل انداز میں سمجھاتا تھا۔ جج صاحبان اِس کا مطالعہ اس لیے کریں کہ مسجد نبوی کے فرش پر مقدمات کی سماعت کرنے والا بے لاگ جج اپنے محبوب ترین منہ بولے بیٹے کی سفارش سننے کا بھی روادار نہ تھا۔ تاجر اس لیے پڑھیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی قافلوں کا نگران کتنا کھرا اور شفاف بزنس مین تھا۔ فوجی بھائی اِس لیے پڑھیں کہ بدر و حنین میں مجاہدین کے کمانڈر انچیف نے کتنی دلیری اور دانائی کا مظاہرہ کیا۔ اور صحافی حضرات اس لیے پڑھیں کہ مخبر صادق سید المرسلین ﷺ نے دنیا اور آخرت کی کتنی سچی اور پکی خبریں دی ہیں..... فی الجملہ یہ مقدس انسائیکلو پیڈیا فرد، سماج اور قیادت سب کے لیے ارتقا کے راستے روشن کرتا ہے۔

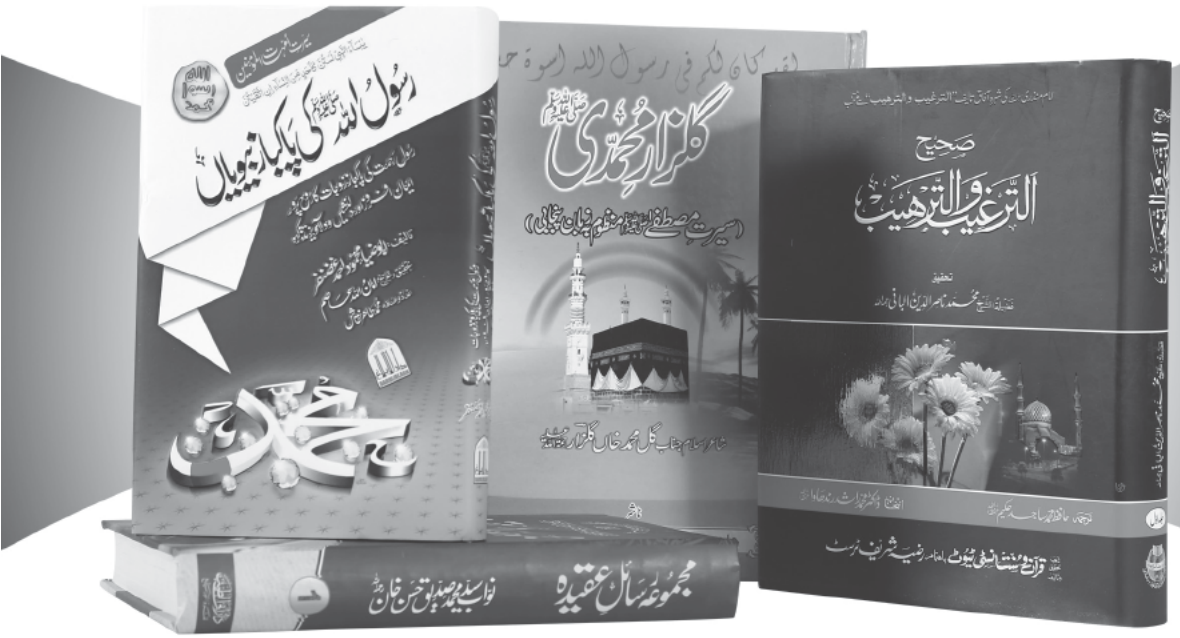
انسائیکلو پیڈیا کی اہم ترین خوبی اس کی نہایت معتبر استنادی حیثیت ہے

یہ انسائیکلو پیڈیا ہر مسلمان مرد اور عورت کے ذہن میں یہ حقیقت راسخ کر دے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کے بعد ہمیں کسی بڑے سے بڑے افلاطون کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف رسول اللہ ﷺ ہی ہمارے رہبر کامل ہیں۔ ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائبریریوں کے لیے یہ ایمان پرور اور خرد افروز انسائیکلو پیڈیا جلد از جلد منگا لیا جائے ..... دارالسلام سیرت مطہرہ کا یہ عظیم انسائیکلو پیڈیا اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزی سے شکر و سپاس کے ساتھ اس احساس و اعتقاد سے پیش کر رہا ہے ؎

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکاۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثربؐ کی حُرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ہر جلد میں شروع کیے گئے عنوان کو مکمل کیا گیا ہے تاکہ اس موضوع سے متعلق قاری دوسری جلد کا محتاج نہ ہو

کتابوں کے دیس میں



① صحیح الترغیب والترھیب

انتخاب: ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا

ترجمہ: حافظ محمد ساجد حکیم

ناشر: قرآن وسنت انسٹی ٹیوٹ 5/3 اے، فیروز پور روڈ مزنگ چونگی، لاہور

042-37500205

''الترغیب والترھیب'' (شوق و رغبت اور خوف و رہبت) علامہ منذری رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف ہے۔ اس مجموعے کی تحقیق علامہ البانی رحمہ اللہ نے کی اور صحیح وضعیف کے عنوان سے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ زیرِ نظر کتاب صحیح الترغیب سے منتخب کردہ ایک مجموعہ ہے۔ ترجمہ بالکل ہی سادہ کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ توضیحی بریکٹس بھی دی گئی ہیں۔ رموز اوقاف کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔

بڑے سائز کے 700 صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں 1000 سے اوپر صحیح یا حسن احادیث مبارکہ پڑھنے کو ملتی ہیں۔ احادیث مبارکہ کو عام کرنے کے سلسلے میں یہ ایک اچھی کاوش ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔

② گلزارِ محمدی ﷺ

(سیرت مصطفیٰ ﷺ منظوم بہ زبان پنجابی)

شاعر: گل محمد خاں گلزار رحمہ اللہ

ملنے کا پتہ: راجپوت بھٹہ خشت، چک 89 شمالی، سرگودھا 0321-6003389

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے ایک مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں نے ''ہیر رانجھا'' اور ''سوہنی مہینوال'' کے قصے تحریر کیے مگر کسی نے پنجابی میں سیرت مصطفیٰ ﷺ نہیں لکھی۔ یہ پکار ایک فکر بن کر مجمع عام میں سے ایک شخص گل محمد خان گلزار کے دل میں جاگزیں ہوئی اور انھوں نے پانچ سال کے عرصے میں زیرِ نظر کتاب کا مسودہ تیار



کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔ ہجرتِ پاکستان کے وقت ایک یہی مسودہ مؤلف کے ساتھ تھا۔ ہجرت کے اسی سفر میں مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی بیوہ یہ مسودہ اپنے سینے سے لگائے پاکستان پہنچیں اور کاوش کے باوجود چھپوا نہ سکیں۔ ان کے بعد ان کی بڑی بیٹی اور ان کے شوہر نے مل کر اسے چھپوایا۔

14087 اشعار اور 600 صفحات پر مشتمل یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی سچی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں حوالوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور سیرت کی مشہور کتب کے ساتھ ساتھ کتب احادیث سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ پنجابی زبان اور ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور خصوصاً پنجابی خطباء کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں رضی اللہ عنہن

تالیف: مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ
تحقیق وتخریج: مولانا امان اللہ عاصم
ناشر: دارالابلاغ، رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
042-37361428

ازواج مطہرات کے تفصیلی تعارف پر مشتمل یہ کتاب مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ کی زندگی کی آخری کتاب تھی۔ شاید اسی لیے اس کی تیاری اور عمدہ طباعت کا خاصا اہتمام کیا گیا ہے۔ خاصے کی چیز یہ ہے کہ اس میں ازواج مطہرات کے تفصیلی اور مستند تعارف کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے عزیز واقارب میں سے جن کا تعارف جس قدر مل سکا، ان کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض کی پہلے خاوندوں سے اولاد بھی تھی۔ اس کتاب میں ان کا بھی تعارف ہی نہیں ان کا سوانحی خاکہ بھی دیا گیا ہے کہ ان میں سے کون کون اسلام لایا اور اس کی زندگی کہاں گزری۔ غالباً یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد تحقیق ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف، محقق اور ناشر کے لیے توشۂ آخرت بنادے، آمین۔

④ مجموعہ رسائل عقیدہ (3 جلدیں)

تالیف: نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تسہیل وتخریج: حافظ عبداللہ سلیم، حافظ شاہد محمود
ناشر: دار ابی الطیب، گل روڈ، حمید کالونی، گلی نمبر 5 گوجرانوالہ 055-3823990
0321-6466422

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے مقام اور علمی پائے پر لکھنے کی حاجت ہے نہ ان کی تالیفات میں علمی رسوخ کے اظہار کی ضرورت۔ باقی رہا ان کے علمی کارناموں کی ترتیب نو اور تسہیل وتخریج کرکے شائع کرنا تو یہ ایک گراں قدر علمی اور دینی خدمت ہے۔ جس کا اعزاز حافظ عبداللہ سلیم اور حافظ شاہد محمود صاحبان نے عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کی نگرانی میں حاصل کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی محنت کی گئی ہے۔ اب تو جدید اسلوب سے ہم آہنگ محسوس ہوتی ہے۔ اللہ انھیں بہترین جزا سے نوازے۔

زیرنظر مجموعے میں نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے 15 رسائل شائع کیے گئے ہیں۔ تینوں جلدیں 1304 صفحات پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں 15 رسائل کے نام دیے جاتے ہیں۔ اہل علم ان کے نام ہی سے ان کے مندرجات سے واقف ہوجائیں گے:

① تعليم الإيمان ② اللواء المعقود لتوحيد الرب المعبود ③ اخلاد الفؤاد إلٰى توحيد رب العباد ④ النصح السديد لوجوب التوحيد ⑤ اخلاص التوحيد للحميد المجيد ⑥ ملاك السعادة فى افراد الله تعالٰى بالعبادة ⑦ فتح الباب لعقائد أولى الألباب ⑧ الانفكاك عن مراسم الاشراك ⑨ دعوة الداع إلى ايثار الإتباع على الابتداع ⑩ سائق العباد الى صحة الاعتقاد ⑪ دعاية الإيمان إلى توحيد الرحمن ⑫ التفكيك عن انحاء التشريك ⑬ عقيدة السنى ⑭ الإحتواء على مسألة الاستواء ⑮ المعتقد المنتقد.

ان رسائل کے اردو میں عوامی نام رکھ کر انھیں علیحدہ بھی شائع کیا جاسکتا ہے تاکہ اہل علم کے ساتھ ساتھ عوام بھی دلچسپی لیں اور فائدہ اٹھاسکیں۔ بہرحال اس کارخیر میں کسی بھی قسم کا حصہ لینے والے مبارک باد کے مستحق ہیں۔



ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

''مقامِ رسالت'' سے ایک اقتباس

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مرتبہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کا آتا ہے۔ بعض دوست صرف چار ائمہ کے قائل ہیں اور بعض بارہ ائمہ کے لیکن ہم اس کا وسیع مفہوم لینا بہتر سمجھتے ہیں، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہر وہ بزرگ امام ہے جس نے کتاب و سنت کی صحیح خدمت کی ہے۔ رحمھم اللہ.

ائمہ رحمہم اللہ کے متعلق بنیادی طور پر اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ آسمانِ علم و فضل کے چمکدار ستارے ہیں۔ نورِ ہدایت کے روشن مینار ہیں۔ ہماری آنکھوں کے تارے اور سر کے تاج ہیں۔ ان کی ہی ساری عظمت و شان اس وجہ سے ہے کہ وہ بحرِ کتاب و سنت کے غوّاص ہیں۔ انھوں نے قرآن و حدیث کے موتی چن چن کر ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ علماء و فقہاء نے وہ موتی اپنی اپنی دکان میں سجائے اور علمی بزم آرائی فرمائی۔ ہم ان اکابرین کی جملہ خدمات کا اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے شکر گزار اور بڑے ممنونِ احسان بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتاب و سنت کے تمام کے تمام گہر ہائے گراں مایہ فلاں ایک امام، ایک محدث یا ایک فقیہ کی ہی دکان کی زینت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے سب موتی کسی ایک کے پاس نہیں ہیں، تمام کے پاس بکھرے ہوئے اور منتشر موتی ہیں۔ کسی بزرگ کے پاس کوئی موتی ہیں اور کسی امام کے پاس کوئی۔ جب یہ موتی متعدد ائمہ کے پاس بکھرے پڑے ہیں تو ہمارے لیے یہ کیونکر روا اور جائز ہوسکتا ہے کہ ہم صرف ایک ہی ''جوہری'' کے خریدار بن جائیں؟ اور ایک ہی کو منتخب کرلیں۔ کسی دوسرے کی طرف قدم اٹھانا ممنوع اور حرام قرار دے دیں۔ ممکن ہے ایک بات امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں نہ ملتی ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں پائی جاتی ہو۔ اور کسی مسئلے کا حل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نہ ہو، امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں موجود ہو، مبسوط کتب میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

علم نبوی ایک بحرِ بیکراں ہے، جس کی گہرائیوں اور پہنائیوں کا اندازہ لگانا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں۔ اور اس وسیع علم پر محیط ہونا کسی ایک بزرگ کے لیے ممکن بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ فقہاء و محدثین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ علم نبوی سب کا سب میرے پاس ہے۔ حضرت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا علم کسی ایک سینے میں جمع ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ بھلا علم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کون ہوسکتا ہے؟

ہزاروں ائمہ میں سے ایک امام کو اپنا متبوع بنالینا اور اسی میں حق کو حصر کردینا اور یہ سمجھ لینا

کہ حق اسی کی پیروی میں بند ہے اور اس کی پیروی سے ہٹ جانا حق سے کنارہ کشی کرنا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ نظریہ اپنے منتخب امام کو مقامِ نبوت پر لاکھڑا کرنے کے مترادف ہے۔ ایسا کرنا نہ صرف نبی کریم ﷺ کی توہین ہے بلکہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کے بھی شایانِ شان نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ مقام صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے اور کسی کا نہیں۔

ائمہ کو کچھ مسائل کا علم تھا اور کچھ مسائل انھیں معلوم نہ ہوسکے۔ جن احکام و مسائل وغیرہ کا انھیں علم نہ ہوسکا انھوں نے اس میں اجتہاد فرمایا اور ہم پورا حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ اجتہاد کتاب وسنت کی روشنی میں فرمایا اور ان کا یہ اجتہاد فرمانا سراسر نیک نیتی پر مبنی تھا، البتہ اصول: اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ. ''مجتہد سے خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے'' کے پیش نظر ان سے اپنے قیاس، رائے، اجتہاد اور تفقہ میں غلطی بھی ہوئی اور یہ بات ائمہ کی توہین نہیں کیونکہ جس ہستی سے کبھی کسی حال میں غلطی نہیں ہوتی وہ نبی ہوتا ہے۔ خطا اور غلطی سے مبرا صرف نبی ہوتا ہے۔ اہل سنت کا یہی نظریہ ہے۔

وہ دوست جو جوش یا مبالغہ آرائی میں آکر کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے امام نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی، غالباً وہ اپنے امام کو معصوم جانتے ہیں، حالانکہ امامِ معصوم صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اپنے امام کو معصوم کہنا اہل سنت کا عقیدہ نہیں، اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ ایسے دوست ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ وہ لاشعوری میں کیا کہہ دیتے ہیں۔ صحیح نظریہ یہی ہے کہ معصوم صرف نبی ہوتا ہے، امام معصوم نہیں ہوتا۔ یہاں پر معصوم سے مراد ہے معصوم عن الخطا، یعنی بھول چوک اور غلطی سے محفوظ۔ اور یہ وہی ہوسکتا ہے کہ جس پر وحی آئے۔ آپ غور فرمائیں کہ یہ مقام بھلا نبی علیہ السلام کے علاوہ کسے نصیب ہوسکتا ہے؟ یقیناً اس مقام پر انبیاء ہی فائز ہیں۔ کوئی امام یہ مقام نہیں پاسکتا۔ نبوت وہبی منصب ہے اور امامت کسبی۔ امام خواہ کتنا بڑا ہو وہ وہبی منصب کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی فرق ہے نبی اور غیر نبی کے درمیان۔

بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ ائمہ رحمہم اللہ کو بروقت صحیح حدیث نہ مل سکی تو انھوں نے ضرورت کے پیشِ نظر اجتہاد فرمایا اور اجتہاد میں غلطی ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ بابِ اجتہاد میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مابین اختلاف ہوا اور پھر تلامذہ کا اپنے ائمہ سے۔ ایسی مثالوں سے کتب فقہ بھری پڑی ہیں، مگر ائمہ کرام رحمہم اللہ اپنی اپنی جگہ یہ فرماکر بری ہوگئے ہیں کہ ''صحیح حدیث کے مقابلے میں ہمارا قول چھوڑ دو۔''

اندریں حالات، ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال اور اجتہادات پر ڈٹے اور جمے رہنا اور ان کے مقابلے میں صحیح حدیثوں کو ٹھکرا دینا ایسا مشغلہ ہے جس کو اہل حق نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔ یہ ائمہ کرام کا ادب نہیں توہین ہے۔ یہ ان کے ارشاد کے سراسر خلاف اور مزاج کے بالکل منافی ہے۔ جس امام کی جو بات کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہو وہ لے لی جائے اور دوسری ترک کردی جائے۔''

گوجرانوالہ اور فیصل آباد میں ماہنامہ ضیائے حدیث کے نمائندگان کا تقرر

الحمدللہ ماہنامہ ضیائے حدیث کی اشاعت میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے۔ اس کے حلقہ قارئین میں تمام طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب شامل ہیں جو اسے بہت دلچسپی سے پڑھتے اور اپنی قیمتی آراء سے ہمیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

ماہنامہ ضیائے حدیث میں لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے پیش نظر ادارہ نے ملک کے تمام شہروں میں نمائندگان کی تقرری کا فیصلہ کیا ہے۔ سردست گوجرانوالہ اور فیصل آباد میں نمائندگان کا تقرر کیا گیا ہے۔

- اب اپنے شہر میں ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ حاصل کرنے
- پرانی ممبرشپ ری نیو (تجدید) کروانے
- اپنے حلقہ احباب میں تعارف کروانے
- اشتہارات شائع کروانے
- اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ کریں

برائے گوجرانوالہ: محمد مکی، گلی نمبر 4 مکان نمبر 4 سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ 0323-8472974

برائے فیصل آباد: قاضی محمد قاسم، مجاہد ہاؤس، سٹریٹ نمبر 6، رحمت آباد نزد جامعہ سلفیہ فیصل آباد
0306-6034386
0341-0766763



حافظ محمد ندیم

دارُالسّلام

(ماہ رفتہ)

ضیائے حدیث دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ایک ذیلی ادارہ ہے۔36 لوئر مال روڈ، لاہور سے نکلنے والا یہ پرچہ الحمدللہ مسلسل ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ دارالسلام میں اکثر وبیشتر مہمان آتے ہیں جو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔ ادارے کے ذمہ داران ان سے حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ ملکی، غیر ملکی اور قومی مسائل پر خوب بحث مباحثہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں لائحہ عمل ترتیب دیا جاتا ہے۔

دارالسلام کے وزیٹرز

✵ مولانا امیر بخش چنا، مترجم سندھی ترجمۂ قرآن، مطبوعہ دارالسلام (سندھ) ✵ فضیلۃ الشیخ پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی، امیر جمعیت اہلحدیث سندھ (کراچی)

منصوبہ جات

✵ الحمدللہ دارالسلام قرآن کمپلیکس (موٹروے، کوٹ عبدالمالک انٹرچینج) تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ یہ ایک میگا پراجیکٹ ہے جس میں جدید ترین مشینری کے ذریعے قرآن مجید اور دینی کتب کی اشاعت عالمی معیار کے مطابق تیز تر ہوگی۔ ان شاء اللہ اپریل 2014ء میں اس کا افتتاح متوقع ہے۔ ✵ دارالسلام ریسرچ سنٹر واقع 36 لوئر مال کی 6 منزلہ پُرشکوہ عمارت تعمیر ہورہی ہے، بیسمنٹ کی دو منزلیں مکمل ہوچکی ہیں۔ لوئر گراؤنڈ کی تعمیر جاری ہے۔

نئی کتب

✵ سیرت انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر 6: شائقین سیرت کے لیے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کے آئینہ دار ''سیرت انسائیکلو پیڈیا'' کی چھٹی جلد بھی نہایت آب وتاب سے مارکیٹ میں آگئی ہے۔ 4 کلر آرٹ پیپر قیمت صرف:1800



✵ مسند احمد: (ایک جلد میں نئی تحقیق کے ساتھ) 27647 احادیث کا مستند ترین ذخیرہ ''مسند امام احمد'' اب دارالسلام کی تحقیق وتخریج کے ساتھ ایک جلد میں شاندار پیش کش، الحمدللہ دارالسلام نے خدمت حدیث کا ایک اور شرف حاصل کیا ہے۔ غلطیوں سے پاک خوبصورت طباعت، نفیس ترین کاغذ، وزارت اوقاف سعودی عرب سے تصدیق شدہ ایڈیشن۔

صفحات 2037 A-4 سائز قیمت:6900

✵ مکتبہ طالب علم (عربی): ① تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان ② فتح المجید شرح کتاب التوحید ③ بلوغ المرام ④ الرحیق المختوم ⑤ ریاض الصالحین۔ علمائے کرام اور طلبہ کے لیے شاندار اسلامی لائبریری اور ایک علمی تحفہ۔ قیمت 7500



دولتِ قطر

خلیج فارس کا اسلامی ملک جس کی فی کس آمدنی (2012ء) دنیا میں سب سے زیادہ رہی

محسن فارانی



قطر مغربی ایشیا میں ایک چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جو دراصل بڑے جزیرہ نمائے عرب کا ایک حصہ ہے۔ جزیرہ نمائے قطر کی شمالاً جنوباً لمبائی 161 کلومیٹر ہے۔ اس کے تین طرف سمندر ہے۔ شمال اور مشرق میں خلیج فارس ہے جسے عرب دنیا میں الخلیج العربی کہا جاتا ہے۔ قطر کے جنوب میں اس کی سرحد سعودی عرب سے ملتی ہے۔ مغرب میں خلیج البحرین اسے مملکت بحرین سے الگ کرتی ہے جبکہ جنوب مشرق میں تقریباً چالیس کلومیٹر سعودی سرزمین میں سفر کرنے پر ابوظہی (متحدہ عرب امارات) کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔ جنوب مغرب میں قطر اور سعودی عرب کے درمیان واقع سمندر کا حصہ دوحۃ سلوی کہلاتا ہے۔ قطر کے مغربی ساحل پر واقع ''جزر حوار'' نامی جزیرے مملکت بحرین کی ملکیت ہیں۔ مقامی بولی (عربی) میں قطر کا تلفظ گِتر (Gitar) ہے۔

اپنے ہی ملک میں اقلیت

دولت قطر کا رقبہ 11571 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 19 لاکھ ہے۔ مقامی عرب آبادی اڑھائی لاکھ (کل آبادی کا 15 فی صد) کے لگ بھگ ہے جبکہ باقی غیر ملکی کارکنان ہیں جن کا آبادی میں تناسب درج ذیل ہے:

دیگر عرب ممالک سے: 13 فی صد
بھارتی: 24 فی صد
نیپالی: 16 فی صد
بنگلہ دیشی: 5 فی صد
سری لنکن: 5 فی صد
فلپینی: 11 فی صد
پاکستانی: 4 فی صد

قطر ایک نظر میں

سرکاری نام: دولت قطر
دارالحکومت: الدوحہ
رقبہ: 11571 مربع کلومیٹر
آبادی: 19,03,447 (جنوری 2013ء)
مسلم آبادی: 81.5 فی صد
نظام حکومت: موروثی بادشاہت
امیر مملکت: تمیم بن حمد الثانی
وزیراعظم: عبداللہ بن ناصر الثانی
یوم آزادی: 3 ستمبر 1971ء
فی کس آمدنی: 98329 امریکی ڈالر
سکہ: ریال (1 ڈالر=3.63 قطری ریال)
ٹریفک: دائیں طرف

قطر کی قدیم تاریخ

شمالی قطر میں زبارہ کے جنوب میں کھدائی سے 7500 سال قدیم انسانی آبادی کے آثار ملے ہیں۔ پانچویں چوتھی ہزاری ق م کے زمانے میں عراقی ماہی گیر قطر تک آتے رہے۔ وہ یہاں مٹی کے برتنوں کے عوض تازہ گوشت حاصل کرتے تھے۔ تیسری اور دوسری ہزاری ق م میں عراق اور وادی سندھ کے درمیان تجارت میں قطر کو اہم مقام حاصل رہا۔ 1500 ق م کے لگ بھگ بابل (عراق) اور قطر کے درمیان تجارتی رابطوں کا سراغ ملتا ہے۔ 140 ق م میں یورپ اور ہندوستان کے مابین یونانی رومی تجارت میں بھی قطر کا ذکر آتا ہے۔ یونانی و رومی تاجر قطر سے موتی اور خشک مچھلی برآمد کرتے تھے۔



ساسانی دور (تیسری صدی عیسوی) میں مشرق سے تانبا، گرم مسالے اور صندل کی لکڑی یہاں آتی اور ان کے عوض ارغوانی رنگ (Purple Colour)، کپڑے، موتی، کھجور، سونا اور چاندی برآمد کیے جاتے۔ ارغوانی رنگ یہاں بعض گھونگوں سے حاصل کیا جاتا تھا۔

قطر میں اسلام کی آمد

قطر میں اسلام بحرین کے راستے وارد ہوا۔ اس زمانے کا بحرین قطر کے جنوب سے کویت تک وسیع تھا جس میں سعودی عرب کا مشرقی علاقہ الاحساء اور جزیرہ بحرین بھی شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے 6ھ/628ء میں سیدنا علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر شاہِ بحرین منذر بن ساویٰ تمیمی کے پاس بھیجا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد 9ھ (عام الوفود) میں اہل قطر کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر قطر کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

یاقوت حموی لکھتا ہے کہ اموی دور میں قطر گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش گاہ کے طور پر مشہور تھا۔ عباسی دور (750ء تا 1258ء) میں قطر کے موتیوں کی مشرق میں چین تک بڑی مانگ تھی۔ سولھویں صدی میں پرتگالی ایران کی بندرگاہ ہرمز پر قابض ہوگئے تو انھوں نے قطر سمیت خلیج فارس کی بندرگاہوں سے بھی تجارتی رابطے قائم کرلیے۔ وہ یہاں سے سونا، چاندی، ریشم، موتی، عنبر اور گھوڑے برآمد کرتے تھے۔ 1522ء میں عثمانی بحریہ نے پرتگالیوں کو قطر اور عُمان سے نکال باہر کیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں عرب قبیلہ بنوخالد نے قطر سے لے کر کویت تک مشرقی عرب پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ ان کے دور میں قطر کی بندرگاہ زبارہ اور سورت (ہندوستان) کے درمیان تجارت عروج پر رہی۔ سورت کا نیلا سوتی کپڑا، کھمبایت (Cambay) کے سوتی پٹکے، چادریں، شالیں، بانس، چینی، گرم مسالے، لوہا، قلعی، تیل، گھی اور چاول عربوں میں بہت مقبول تھے۔

1783ء میں جزیرہ بحرین کے خلیفہ خاندان نے یلغار کرکے قطر کا بحرین سے الحاق کرلیا۔ 1821ء میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے جنگی جہازوں نے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے بہانے دوحہ پر گولہ باری کرکے شہر کو تباہ کردیا۔ 1825ء میں قطری خاندان ''الثانی'' کے سربراہ شیخ محمد بن ثانی بنے۔ ان کی قیادت میں قطریوں نے آزادی کی جنگ لڑی (68-1867ء)۔ اس جنگ میں دوحہ اور الوکرہ کے شہروں کو بہت نقصان پہنچا۔ آخرکار برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کی مداخلت سے جنگ ختم ہوگئی اور پھر 18 دسمبر 1878ء کو بحرین نے قطر کو الگ مملکت تسلیم کرلیا۔ اس دوران میں 1871ء میں ولایت بغداد کے عثمانی گورنر مدحت پاشا کے دباؤ پر قطر کو عثمانی سلطنت میں ضم کردیا گیا اور قطر سے کویت تک عثمانی حکمرانی قائم ہوگئی، تاہم الوجبہ (دوحہ سے 10 میل مغرب میں) کی جنگ (1893ء) کے بعد عثمانیوں نے قطر کو عثمانی خلافت کے اندر ایک خودمختار ملک تسلیم کرلیا۔

قطر میں برطانوی سامراج

68-1867ء کی بحرین قطر جنگ کے بعد برطانوی سامراج نے قطر میں اثر ورسوخ حاصل کرلیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران (1915ء) میں شیخ عبداللہ بن جاسم الثانی نے بغاوت کرکے عثمانی ترکوں کو دوحہ سے نکل جانے پر مجبور کردیا۔ اگلے سال 1916ء میں برطانیہ نے قطر کو اپنا زیرحفاظت علاقہ قرار دے دیا۔ 1939ء میں یہاں معدنی تیل دریافت ہوا مگر تیل نکالنے کا کام دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر شروع ہوا۔ 1950ء کی دہائی میں معدنی تیل، موتی نکالنے اور ماہی گیری کے بجائے، ملکی آمدنی کا بڑا ذریعہ بن گیا۔ 1968ء میں برطانیہ نے خلیج سے اپنا سیاسی اقتدار تین سال کے اندر ختم کرنے کا اعلان کیا تو قطر نے دیگر مصالحتی ریاستوں (Trucial States) بحرین اور امارات کے ساتھ ایک وفاق بنالیا، تاہم کچھ عرصہ بعد قطر نے اپنی الگ آزاد حیثیت بحال کرلی، پھر 3 ستمبر 1971ء کو برطانیہ نے قطر کو آزاد کردیا۔

قطر کے دو یوم آزادی

قطر سال میں اپنے دو یوم آزادی مناتا ہے۔ 18 دسمبر 1878ء کو قومی دن کے طور پر مناتے ہیں جب قطر نے بحرین سے آزادی حاصل کی تھی۔ دوسرا یوم آزادی 3 ستمبر 1971ء کو برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے پر منایا جاتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

قطر کے دارالحکومت دوحہ کے قریب سمندر



میں ایک مصنوعی جزیرہ لؤلؤ القطر (پرل قطر) بنایا گیا ہے۔ اسے ایک تفریحی مقام کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں سیاحوں کے لیے کئی ریستوران قائم کیے گئے ہیں۔

جبل دخان اور خورالعدید

مغرب میں واقع قطر کا کم بلند پہاڑی سلسلہ جبل دخان کہلاتا ہے جس کی بلندترین چوٹی قُرین ابوالبول صرف 103 میٹر اونچی ہے۔ یہ چونے کے پتھر کی پہاڑیاں ہیں جو زکریت سے ام باب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انھی پہاڑیوں میں قطر کے تیل کے ارضی (Onshore) ذخائر ہیں جبکہ شمال مغرب میں سمندر کے اندر (Offshore) گیس فیلڈز واقع ہیں۔

قطر کا زیادہ تر علاقہ ایک ریتلا نشیبی بنجر میدان ہے۔ جنوب مشرق میں خورالعدید (''خور'' بمعنی کھاڑی یا Inlet) ہے جہاں خلیج فارس کی ایک کھاڑی خشکی کے اندر تک چلی گئی ہے۔ اس کے اردگرد ریت کے ٹیلے قطار اندر قطار واقع ہیں۔

انکم ٹیکس فری ملک

بیسویں صدی کے آغاز تک قطر کی معیشت کا بیشتر انحصار سمندر سے موتی نکالنے پر تھا۔ 30-1920ء میں جاپانیوں نے مصنوعی موتیوں سے عالمی منڈی بھر دی تو قطر کی پرل انڈسٹری بیٹھ گئی۔ پھر 1940ء میں دخان فیلڈ میں تیل دریافت ہوا تو قطر کی نئی خوشحالی کا آغاز ہوا۔ اب قطر میں کوئی انکم ٹیکس لاگو نہیں اور یہ ان ملکوں میں شامل ہے جہاں ٹیکسوں کی شرح پست ترین ہے۔

جون 2013ء میں یہاں بے روزگاری 0.1 فیصد تھی۔ قطر کے 14 فی صد خاندان کروڑ پتی (Dollar Millionaires) ہیں۔ 2012ء میں قطر کی فی کس آمدنی دنیا میں بلندترین تھی۔

قطر دنیا کا امیر ترین ملک

قطر مائع قدرتی گیس کی برآمد میں سرفہرست ہے۔ عالمی درجہ بندی میں قطر 2010ء سے 2012ء تک دنیا کا امیر ترین ملک شمار ہوا ہے۔ 2012ء میں تین چوٹی کے امیر ترین ملکوں کی فی کس آمدنی یوں رہی:

قطر: ایک لاکھ 6 ہزار ڈالر
لکسمبرگ: 80 ہزار ڈالر
سنگاپور: 61 ہزار ڈالر

2012ء میں قطر کی جی ڈی پی 182 ارب ڈالر تھی۔

قطر میں تعلیم

قطر میں شرح خواندگی 96 فیصد ہے۔ قطر یونیورسٹی 1973ء میں قائم ہوئی تھی۔ 2008ء میں مدینۃ العلم (ایجوکیشن) میں قطر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پارک کا قیام عمل میں آیا۔ مدینۃ العلم میں قطر اکیڈمی، انٹرنیشنل بیکلاریٹ سکول اور دو کینیڈین اداروں (کالج آف نارتھ اٹلانٹک اور یونیورسٹی آف کیلگری) کے کیمپس بھی قائم ہیں۔

قطر کے شہر

قطر کا قدیم ترین شہر الزبارہ شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ دیگر شہر الدوحہ، الوکرہ، مسیعید، ابونخالہ، الخور، دخان اور النقیعہ ہیں۔

الدوحہ (Doha)

مشرقی ساحل پر واقع دوحہ قطر کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ لفظ دوحہ عربی لفظ ''الدوحا'' سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''بڑا درخت۔'' دوحہ قطر کی معاشی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہاں ملک کے تقریباً 60 فی صد لوگ رہائش پزیر ہیں۔ اسپائر ٹاورز، میوزیم آف اسلامک آرٹ اور کمرشل بنک پلازا یہاں کی مشہور عمارات ہیں۔

الوکرہ (Al-Wakra)

یہ قطر کا بہت خوب صورت شہر ہے جو مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ ایک زمانے میں اس جگہ ایک مچھلی منڈی تھی مگر آج یہاں جدید شہر ہے۔ عجائب گھر، بندرگاہ اور الوکرہ سپورٹس کمپلیکس یہاں کی مشہور جگہیں ہیں۔

دخان (Dukhan)

قطر کا یہ صنعتی شہر ملک کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ ملک کی تیل کی پیداوار کا مرکز ہے۔ مرکزی ریفائنری (تیل صاف کرنے کا کارخانہ) اور جامع مسجد دخان یہاں کے قابل ذکر مقامات ہیں۔

قطر کی مشہور مساجد

قطر کی قدیم ترین مسجد ابوالقبیب (الدوحہ) ہے جو شیخ جاسم بن محمد الثانی نے بنوائی تھی۔ دیگر مساجد میں المسجد الکبیر (السیوخ)، مسجد الاصمخ، مسجد ابوبکر الصدیق، مسجد عمر بن الخطاب، مسجد الوکرہ، مسجد السوق المرکزی، مسجد صلاح



الدین اور مسجد مطار الدوحۃ الدولی (دوحہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی مسجد) قابل ذکر ہیں۔

قومی جانور

عربی مہاۃ قطر کا قومی جانور ہے۔ یہ دراصل صحرائی ہرن ہے جس کے دو لمبے سینگ ہوتے ہیں۔ یہ بڑا سخت جان جانور ہے اور کئی کئی دن بغیر پانی اور خوراک کے رہ سکتا ہے۔

قطری ثقافت

قطر میں آپ کو روایتی عرب رسم و رواج نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ عربوں کی طرح لمبا لبادہ پہنتے ہیں۔ قہوہ اور خشک پھلوں کے شوقین ہیں۔ نوجوان صحرا میں شکار اور کار ریس جیسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ قطری بڑے مہمان نواز اور سخی ہیں۔ یہاں کی خواتین تعلیم یافتہ اور حجاب اور پردے کی بہت پابند ہیں۔

قطر کے کھانے

غوضی: اس ڈش میں قطر کے لوگ ایک چھوٹا بکرا سالم روسٹ کر کے کھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ عموماً چاول اور مختلف میوے استعمال ہوتے ہیں۔

بریانی: قطر کے لوگ بھی ہماری طرح بریانی کے بڑے شوقین ہیں۔ وہاں بریانی میں بکرے یا اونٹ کا گوشت اور مختلف مسالے ڈالے جاتے ہیں۔

مثروبہ (Mathrwba): اس مزے دار پکوان میں چکن (مرغ) کو مکھن میں تیار شدہ دلیے میں ڈال کے پیسٹ (لبوب) کی شکل میں پکایا جاتا ہے۔

برتنوں کا عجائب گھر

قطر کے قومی عجائب گھر (دوحہ) میں ایک بہت بڑا حصہ برتنوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں نئے اور پرانے برتنوں کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ ایسا ذخیرہ دنیا میں کسی اور عجائب گھر میں نہیں ملتا۔

کھیل

قطر کے لوگ فٹ بال کھیلنے کے بڑے شوقین ہیں۔ قطر کی ٹیم ہر بڑے فٹ بال ٹورنامنٹ میں حصہ لیتی ہے۔ 2022ء کا فٹ بال ورلڈ کپ قطر ہی میں ہوگا اور اس کے لیے ابھی سے تیاریاں جاری ہیں۔ فٹ بال کے علاوہ والی بال، باسکٹ بال، اونٹ دوڑ اور کرکٹ یہاں کے مقبول کھیل ہیں۔

قطر میں امریکی فضائی اڈا

قطر تیل برآمد کرنے والی تنظیم اوپیک کا ابتدائی رکن اور خلیج تعاون کونسل (GCC) کا بانی رکن ہے۔ قطر نے امریکا کو العدید ایئربیس دے رکھا ہے جہاں سے وہ خلیج میں فضائی آپریشنز کرتا ہے۔ یہاں سے امریکی افغانستان اور عراق میں اپنی افواج کو رسد فراہم کرتے ہیں۔

قطر سعودی تعلقات

سعودی عرب واحد ملک ہے جس سے قطر کی سرحد ملتی ہے۔ قطر نے سعودی عرب سے دفاعی تعاون کا معاہدہ بھی کر رکھا ہے۔ سعودی قطر مشترکہ گیس فیلڈ اپنی نوعیت کا دنیا میں سب سے بڑا گیس کا ذخیرہ ہے۔ قطر کی کوششوں سے سوڈان کے شورش زدہ علاقے دارفور میں قیام امن کے لیے فریقین نے ''اعلانِ دوحہ'' پر دستخط کیے ہیں۔

قطر کی بلدیات

انتظامی طور پر قطر 2004ء سے درج ذیل سات بلدیات میں منقسم ہے:

① مدینۃ الشمال ② ام صلال ③ الداین
④ الریان ⑤ الخور ⑥ دوحہ ⑦ الوکرہ

قطر آزادی کے بعد

1972ء میں خلیفہ بن حمد الثانی نے قطر میں اقتدار حاصل کرلیا۔ 1974ء میں قطر جنرل پٹرولیم کمپنی نے تیل نکالنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر جلد ہی قطر ایک امیر ملک بن گیا۔ 1991ء میں آزادئ کویت کی خلیجی جنگ میں قطری فوج نے عراق کے خلاف سعودی فوج کا ساتھ دیا۔ 1995ء میں امیر حمد بن خلیفہ الثانی نے اپنے باپ سے اقتدار حاصل کرلیا۔ 1996ء میں قطر میں الجزیرہ ٹی وی سٹیشن قائم ہوا جسے دنیا بھر بالخصوص عالمِ عرب میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ 1999ء کے بلدیاتی انتخابات میں قطری عورتوں کو ووٹ کا حق ملا۔ 2008ء میں دوحہ میں ایک رومن کیتھولک چرچ کا افتتاح ہوا۔ 2010ء میں طے پایا کہ 2022ء کا فٹ بال ورلڈ کپ قطر میں منعقد ہوگا۔ موجودہ امیر تمیم بن حمد الثانی 25 جون 2013ء کو برسر اقتدار آئے۔

ضرورت اساتذہ

بلال اسلامک سینٹر میں شعبہ حفظ کے لیے مندرجہ ذیل اہلیت کے حامل اساتذہ کی ضرورت ہے۔

اہلیت:

- سبعہ وعشرہ کا قاری ہو
- خوبصورت آواز ہو
- منزل پختہ ہو
- درسِ نظامی کیا ہو
- کم ازکم 3 سالہ شعبہ حفظ کا تجربہ ہو
- شادی شدہ ہو
- عصری تعلیم کم ازکم میٹرک ہو

سہولیات:

- 20,000 روپے تنخواہ (کھانا + سنگل رہائش)
- ہر سال 15 فیصد تنخواہ میں اضافہ
- ابتدائی علاج معالجہ کی سہولت
- چار سالہ ایگریمنٹ

ٹیسٹ برائے تقرری

مورخہ **20** فروری 2014ء کو مرکز ہذا میں ٹیسٹ برائے تقرری منعقد ہوگا۔

برائے رابطہ

قاری احسان اللہ احسان۔ ناظم بلال اسلامک سینٹر، ابوالخیر روڈ، دوسا کوچوک سگیاں بائی پاس لاہور 0321-9622936, 042-37902205

ہیپاٹائٹس B/C

اور تمام امراضِ جگر کا مستقل علاج (ان شاء اللہ)

- LFT 10 سے 15 روز میں رپورٹ کلیئر
- یورک ایسڈ۔ کولیسٹرول۔ مردانہ جراثیم پرابلم (مردانہ تولیدی جراثیم کا مردہ یا کم ہونا)
- گردہ۔ مثانہ اور پتہ کی پتھری کا بغیر آپریشن علاج
- امراضِ دل کا بغیر آپریشن مستقل علاج

دل کا بڑھ جانا | والوز کا بند ہونا | شریانوں کا بند ہونا

ھربل فزیشن

شاہد سجاد

0333 69 68 843
0301 69 31 632

ٹائم لے کر تشریف لائیں

تمام امراض کا ہربل ادویات سے بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ کے علاج کیا جاتا ہے

مطب **شفاء الخیر**

24- علامہ اقبال روڈ نزد ریلوے کیرن ہسپتال لاہور (بروز سوموار تا جمعہ)

عقب مسجد رحمانیہ اہل حدیث کچہری روڈ نزد دفتر جماعت اسلامی چیچہ وطنی (بروز اتوار)